साहित्य

ہم عصر کشمیری شاعری

(انتھالوجی)

ترتیب

عزیز حاجنی

ہم عصر کشمیری شاعری

(انتھالوجی)

ترتیب

عزیز حاجنی

اردو مترجمین

رخسانہ جبین، سید رضا
سلطان الحق شہیدی، منشور بانہالی

ساہتیہ اکادمی

Humasr Kashmiri Shairi : Urdu translation of An Anthology of Post Independence Indian Poetry in Kashmiri by Kashmiri poets (1950-2010) compiled by Aziz Hajini, translated during a workshop. Sahitya Akademi, New Delhi (2015), Rs. 150.

پہلا ایڈیشن : 2015

ساہتیہ اکادمی

ہیڈ آفس :

رویندر بھون، 35 فیروز شاہ روڈ، نئی دہلی 110001

سیلس آفس: 'سواتی'، مندر مارگ، نئی دہلی 110001

علاقائی دفاتر :

4، ڈی ایل خاں روڈ، کولکاتا 700025

172، ممبئی مراٹھی سنگھرالے مارگ، دادر، ممبئی 400014

سینٹرل کالج کیمپس، ڈاکٹر بی۔آر۔ امبیڈکر ویدھی، بنگلور 560001

مین بلڈنگ، گونا بلڈنگس (دوسری منزل)، (304)443، انا سلائی، تینم پیٹ، چینئی 600018

قیمت: 150 روپے

ISBN 978-81-260-4633-1

Website : http://www.sahitya-akademi.gov.in

طابع: وکاس کمپیوٹر اینڈ پرنٹرس، دہلی

ترتیب

پیش لفظ

ہندوستان میں آزادی کے بعد ایک نئی شاعری کے دور کا آغاز ہوا۔ زندگی کے ہر شعبے میں نمایاں تبدیلیاں دیکھنے کو ملیں۔ ادب پر بھی اس کے اثرات مرتب ہوئے۔ شاعری کے اسلوب، موضوع اور آہنگ کی سطح پر فرق محسوس کیا گیا۔ علم و آگہی کے اس نئے دور میں علاقائی زبانوں پر بھی اس کے اثرات رونما ہوئے۔ ہر زبان میں سماجی سروکار بدل رہے تھے اور تمدن، سماج اور روایات کی سطح پر انقلابی تبدیلیاں نمایاں ہو رہی تھیں۔ ادب میں آئی اس تبدیلی کی اہمیت آج بھی مسلم ہے۔ اس کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر ہی ساہتیہ اکادمی نے 1950 کے بعد کے حالات و واقعات کو تمام ہندستانی زبانوں میں ایک انتھالوجی میں شائع کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ اہل زبان و ادب معاصر شاعری کے مختلف رنگوں اور رجحانات سے واقف ہو سکیں۔

ہر زبان کا اپنا الگ ڈکشن، آہنگ اور اپنی مقامی روایات کا ایک منفرد رنگ ہوتا ہے۔ ہندوستان کا ادب مختلف زبانوں کا ایک گلدستہ ہے۔ کثرت میں وحدت ہندوستان کی شاعری کی شناخت ہے۔ ہماری قومی یکجہتی اس رنگارنگی کا ایک حصہ ہے۔ مختلف زبانوں کی شاعری کے لطف و اثر سے ہمارے باہمی میل جول کے تجربے کو تقویت پہنچی ہے۔ زیر نظر انتھالوجی میں ہم عصر کشمیری شاعری کے حوالے سے ان مختلف رنگوں اور رجحانات کو ہم دیکھ سکتے ہیں۔ امید ہے کہ اس سے شاعری کے مطالعے کے ذوق و شوق میں اضافہ ہوگا اور قارئین اسے پسند فرمائیں گے۔

کے. سری نواس راؤ

سکریٹری، ساہتیہ اکادمی، نئی دہلی

اپنی بات

کشمیری زبان کی معلوم ادبی تاریخ ساڑھے سات سو سال پر پھیلی ہوئی ہے۔ ہماری شاعری کے اولیں دور کی نمائندہ سخنور للہ دید اور شیخ العالمؒ انگریزی زبان کے پہلے شاعر چاسر کے ہم عصر ہوئے ہیں۔ ادبی نقادوں کا کہنا ہے کہ للہ دید اور شیخ العالم کا کلام معیار کے اعتبار سے چاسر کی شاعری سے کہیں زیادہ ارفع و اعلیٰ ہے۔ بہر حال ان بلند پایہ شاعروں کے بعد کشمیری شاعری کی روایت کو حبہ خاتون، حبیب اللہ نوشہری، محمود گامی، رسول میر، مقبول شاہ کرالہ واری، عبد الاحد نادم، وہاب پرے، امیر شاہ کریری اور درجنوں صوفی شعرا نے آگے بڑھایا۔ بیسویں صدی تک آتے آتے ہماری شاعری کے خزانے میں ایسا سرمایہ جمع ہو چکا تھا جس کے مختلف رنگ اور طرح طرح کے انداز ہیں۔ بیسویں صدی کے ابتدائی برسوں کے دوران ہمارے شعری ادب میں رزمیہ اور بزمیہ مثنوی لکھنے یا ترجمہ کرنے کا رواج عروج پر پہنچا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ شاعری کی روایت بھی بہت مقبول اور مستحکم ہو چکی تھی۔ کشمیریوں کے لیے یہ شاعری دل بہلانے اور خوش کرنے کا ذریعہ بنی اور اس کے ساتھ ان کی عقیدت بھی وابستہ تھی۔ اس نوعیت کی شاعری کا غلبہ اس وقت تک رہا جب تک کہ 1931 کے بعد مہجور اور آزاد ایک نئی سوچ اور ایک نئے طرزِ اظہار کی بشارت لے کے آئے۔

ہم عصر کشمیری شاعری کا معنوی آغاز درحقیقت 1931 کی ذہنی تبدیلی کے بعد ہی ہوتا ہے۔ تحریکِ آزادی نے جو معنی خیز انقلاب پیدا کیا اس کے باعث ہمارے شاعروں کی تخلیقی سوچ میں ایک نمایاں نیا پن اور لکھنے کی نہج میں ایک نیا انداز پیدا ہوا۔

اس تاریخی حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرے گا کہ مہجور نے 1918 ... سے کشمیری میں

اپنی بات

کشمیری زبان کی معلوم ادبی تاریخ ساڑھے سات سو سال پر پھیلی ہوئی ہے۔ ہماری شاعری کے اولیں دور کی نمائندہ سخنور للہ دید اور شیخ العالمؒ انگریزی زبان کے پہلے شاعر چاسر کے ہم عصر ہوئے ہیں۔ ادبی نقادوں کا کہنا ہے کہ للہ دید اور شیخ العالم کا کلام معیار کے اعتبار سے چاسر کی شاعری سے کہیں زیادہ ارفع و اعلیٰ ہے۔ بہر حال ان بلند پایہ شاعروں کے بعد کشمیری شاعری کی روایت کو حبہ خاتون، حبیب اللہ نوشہری، محمود گامی، رسول میر، مقبول شاہ کرالہ واری، عبد الاحد نادم، وہاب پرے، امیر شاہ کریری اور درجنوں صوفی شعرا نے آگے بڑھایا۔ بیسویں صدی تک آتے آتے ہماری شاعری کے خزانے میں ایسا سرمایہ جمع ہو چکا تھا جس کے مختلف رنگ اور طرح طرح کے انداز ہیں۔ بیسویں صدی کے ابتدائی برسوں کے دوران ہمارے شعری ادب میں رزمیہ اور بزمیہ مثنوی لکھنے یا ترجمہ کرنے کا رواج عروج پر پہنچا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ شاعری کی روایت بھی بہت مقبول اور مستحکم ہو چکی تھی۔ کشمیریوں کے لیے یہ شاعری دل بہلانے اور خوش کرنے کا ذریعہ بنی اور اس کے ساتھ ان کی عقیدت بھی وابستہ تھی۔ اس نوعیت کی شاعری کا غلبہ اس وقت تک رہا جب تک کہ 1931 کے بعد مہجور اور آزاد ایک نئی سوچ اور ایک نئے طرزِ اظہار کی بشارت لے کے آئے۔

ہم عصر کشمیری شاعری کا معنوی آغاز درحقیقت 1931 کی ذہنی تبدیلی کے بعد ہی ہوتا ہے۔ تحریکِ آزادی نے جو معنی خیز انقلاب پیدا کیا اس کے باعث ہمارے شاعروں کی تخلیقی سوچ میں ایک نمایاں نیا پن اور لکھنے کی نہج میں ایک نیا انداز پیدا ہوا۔

اس تاریخی حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرے گا کہ مہجور نے 1918ء ہی سے کشمیری میں

شعر گوئی کا آغاز کیا تھا۔ مگر یہ بھی سچ ہے کہ ابتدا میں وہ بھی وہی نسوانی جذبات اور محبت کے انہی نالہ ہائے فراق کا اظہار کرتے رہے جن کی روایت ہماری شاعری میں صدیوں سے چلی آرہی تھی۔ چنانچہ مہجور نے پہلے دس بارہ برسوں میں جو کچھ کہا اس کا حاصل صرف وہی احساسِ کمتری اور جذبے کی یخ بستگی ہے جس کا اظہار اس وقت تک کے تقریباً تمام صوفی اور رومان پسند شاعروں کے کلام میں کافی حد تک پایا جاتا ہے۔ کُلیاتِ مہجور میں اس طرح کی بہت سی نظمیں پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ اگر مہجور اسی انداز کی شاعری کرتے تو آج ان کے بارے میں صرف اتنا کہنا کافی ہوتا کہ ان کی شاعری فقط حبہ خاتون ' مقبول شاہ کرالہ واری، رسول میر اور وہاب پرے وغیرہم کی صدائے بازگشت کے سوا کچھ نہیں مگر مہجور زبردست حساس تھے جس کی وجہ سے ان کے تخلیقی شعور نے تیزی سے بدلتے ہوئے سیاسی اور سماجی حالات کے پیشِ نظر ایک نیا انداز اختیار کیا۔ آزادی کے جوشیلے جذبے نے جو تلاطم مہجور کے ذہن میں پیدا کیا، اس کا بھرپور اظہار ان کی شاعری میں نظر آتا ہے۔

کر نئی دنیا بسانے کے لیے ساماں تلاش
عہدِ نو میں اب چلے گا بس ترا ہی کاروبار

کاہلی چھوڑ سپاہی بن
اٹھا تفنگ مشین گن
زندہ کر اپنا وطن
اور تو اپنا نام رکھ

نئی اور تخلیقی اعتبار سے کم پایہ ہونے کے باوجود یہ آواز کشمیری شاعری میں ایسی لے کا پتہ دیتی تھی جسے واقعی نئی اور تازہ کہا جاسکتا تھا۔ چنانچہ کشمیر کا ماحول اس کے لیے موافق تھا اس سبب سے مہجور کو زبردست قبولِ عام حاصل ہوا۔ اور اس کا حوصلہ بلند ہوا۔ جہاں وہ ایک طرف کشمیر کی صورت حال پر باریک بینی سے غور کرنے لگا وہاں دوسری طرف شاعری کی نکتہ آفرینیوں کی طرف بھی دھیان دینے لگا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کی شاعری نے ایک

علامتی رنگ اختیار کیا اور اگر اس وقت تک وہ:

جوانِ کاشمر نکل دکھا دے تو بہادری

جیسے ترانے لکھ کر صاف لفظوں میں اپنے انقلاب پسند اور قوم پرست جذبوں کی عکاسی کرتا تھا تو اب اس نے:

اے گلِ لالہ میرے پیارے! حال دل اظہار کر

جیسے گیت لکھ کر ایک لطیف اور بہتر شاعرانہ انداز اپنایا۔ کشمیر کو باغ اور یہاں کے رہنے والوں کو پھول کہنے کی حِس پا کر مہجور نے اپنے کلام میں یہاں کے نامور اور خوبصورت صحت افزا اور خوشبو بکھیرنے والے پھولوں کے میدانوں، خوش آواز پرندوں اور گرجنے والے ندی نالوں اور آبشاروں کی اس انداز میں عکاسی کی۔ کہ جس سے کشمیر کی ایسی جہتیں سامنے آنے لگیں جو خیالوں کو مہمیز کرنے اور دلوں کو راس آنے والی ہیں۔

سنا ہے میں نے نسیم سے تو کمند لے کے شکار کرنے پہاڑ دامن نکل چکا ہے
یہ شوق اُکسا رہا ہے مجھ کو، شکارا لے کر میں تیری خاطر خود اپنا سر لے کے آ رہا ہوں

اب چمن میں رہ نہیں سکتا ہے بوم
پنجہ افگن اب مرا شہباز ہے

ان اشعار کا علامتی ہونا عیاں ہے۔ مگر علامت برتنے کا یہ انداز اس بالواسطہ انداز سے کہیں مختلف ہے جو ہمارے صوفی شاعروں میں نظر آتا ہے۔

مہجور نے جو پیکر تراشی کی ہے اور علامتوں کو جس طرح برتا ہے، ان سے ہر کشمیری واقف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قاری ایسے اشعار سے بھی کچھ نہیں تو اس کے سطحی معنی سے محظوظ ہو ہی سکتا ہے۔ خیالات اور الفاظ میں انتہائی تکرار کے باوجود مہجور کے کلام کی بعض خصوصیات لایق ستایش ہیں۔

کشمیری ایک قوم ہونے کا احساس ابھارنے اور روایت کا تحفظ کرتے ہوئے ایک نئی روایت قائم کرنا مہجور کے کلام کی اہم ترین تخلیقی صفت ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ شعوری طور نظم

لکھنے کا آغاز بھی مہجور ہی نے کیا۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کی نظموں پر بھی وژن کی چھاپ ہے۔ اور اس میں فکر کی وہ وسعت نظر نہیں آتی جو عبدالاحد آزاد کی نظموں کا خاصہ ہے۔ آزاد نے بھی اپنا ادبی سفر روایتی انداز میں کیا مگر زندگی کی کچھ ہیبت ناک وارداتوں نے ان کے طرزِ فکر میں ایک انقلاب پیدا کیا۔ اور وہ کشمیری زبان کا پہلا باغی شاعر بنا۔

وہ چونکہ 1917 کے انقلاب روس کے اثرات سے باخبر ہونے کے ساتھ ساتھ اردو شاعری کے بدلتے انداز سے بھی اچھی طرح آگاہ تھا اس لیے اسے ایک نئے طرزِ فکر کے برتنے کے انداز کو پیش کرنے میں کوئی بھاری رکاوٹ پیش نہیں آئی۔ وہ ایک آن میں کشمیری شاعری کے مزاج سے منحرف ہوگیا اور ایک تند و تیز باغیانہ طرزِ بیان کو استعمال میں لایا:

یہ دین و ملت، وطن، حکومت، خدا، خدائی، ازل، مقدر
نقاب ڈالے حقیقتوں پر سدا سے ہیں انقلاب دشمن
آنکھوں میں نہیں آب کچھ سرمایہ داروں کی
دن میں تو گور کن ہیں وہ، راتوں کو کفن چور

ظاہر ہے آزاد تمام روایتی اصولوں اور عقیدوں سے کنارہ کش ہو کر ایک نئے جہاں کی تعمیر کرنا چاہتا تھا۔ وہ ملی بھائی چارہ، وطن دوستی اور مذہبی عقیدوں وغیرہ کو سرمایہ داروں کی چھل کپٹ جان کر مزدور اور کسان کو یہ سارا نظام تہس نہس کرنے کا پیغام دیتا ہے۔ یوں آزاد شاعری کی نزاکتوں اور خوبیوں سے بے پروا ہو کر ایک مخصوص نظریہ کا ترجمان بنتا ہے۔ اور یہی اس کی شاعری کے کم مایہ ہونے کی بڑی وجہ بنتی ہے۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ آزاد بحیثیت شاعر کسی قطار میں نہیں۔ اس کے خیالات کی بلندی اور فکر کی وسعت دیکھ کر اس کے علمی مرتبہ کو مرحبا کہنا پڑتا ہے۔ ساتھ ہی آزاد نے شاعری کی صورت میں کشمیری قاری کے سامنے پہلی مرتبہ ایک باعزت اور خود دار طرزِ فکر، جوشیلی سوچ رکھ دی۔ آزاد نے ضرور اس فلسفیانہ سوچ کا دودھ اقبال کی شاعری سے بھی پی لیا تھا پھر بھی صدیوں کی غلامی کے بوجھ تلے دبے بے سدھ کشمیریوں کے شعور کے لیے یہ ایک نامانوس آواز تھی:

پرواز ہے کوّے طوطے کی بلبل کی بھی شہباز کی بھی
ہاں فرق مگر پرواز میں ہے کس کس کے کتنا یہ بھی دیکھ

زنجیر غلامی کی اُس پیار سے بہتر ہے
جو اپنے جوانوں کی ہمت کو کرے پسپا

ایسے سنجیدہ خیالات کو شعری قالب میں لانے کے لیے غزل کی بجائے نظم کا پیکر زیادہ موزون تھا یہی وجہ ہے کہ غزل کہتے وقت لگتا ہے کہ آزاد ہکلاتا ہے جب کہ اس کی نظموں کو ہمیشہ پائیداری اور تخلیقی اہمیت حاصل ہے۔ 'شکوہ ابلیس،، 'شکوۂ کشمیر' اور 'نالۂ بڈشاہ' اب بھی کشمیری ادب میں بہترین نظمیں شمار ہوتی ہیں۔ البتہ ان کی نظم 'دریاؤ' ابھی تک ایک لاجواب تخلیقی کارنامہ ہے:

وہ کھائی ہو کہ خندق ہو، میں دن اور رات چلتا ہوں
نہ محتاج ثنا ہوں ناکلیلوں سے بہلتا ہوں
تمیز اپنی نہ چمگادڑ نہ کوئی بلبلوں میں ہے
مرا سوزِ حیات اپنے سفر کی منزلوں میں ہے

جذبوں کی آنچ زبان کی روانی اور تخلیقی پیکروں کا قابلِ قبول استعمال موسیقی کی لطافت، خود کلامی کا انداز وہ موٹے موٹے تخلیقی اوصاف ہیں جو بیک وقت اس نظم میں نظر آتے ہیں۔ لگتا ہے یہ کارنامہ آزاد نے اپنے تخلیقی سفر کے آخری پڑاو میں انجام دیا ہے۔ یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ اگر اسے موت نے فرصت دی ہوتی تو کشمیری شاعری کے دامن میں ایسے کئی گراں بہا موتی جڑ گئے ہوتے۔

آزاد اور مہجور کے آس پاس غلام نبی عارض، غلام نبی دلسوز اور عبدالستار عاصی وغیرہ اور بھی کئی شاعر شعر کہتے رہے مگر ان میں کوئی ایک بھی اپنا انفرادی وجود قائم نہیں کر سکا۔ اس کے برعکس وہ اسی راہ پر ٹھہر ٹھہر کر گامزن رہے جو مہجور اور آزاد نے متعین کی تھی۔ آزاد آزادی کی گونج سنائی دینے کے صرف ساڑھے سات مہینے بعد انتقال کر گئے جبکہ مہجور 1952 میں

رحمتِ حق ہوئے۔ یہ ہماری تاریخ کا نہایت ہی اہم اور نازک دور شمار ہوتا ہے۔

ہندوستان کا آزاد ہوتے ہی دو حصوں میں تقسیم ہونا۔ کشمیر پر قبائلیوں کا حملہ، شیخ عبداللہ کا نہرو کے ساتھ الحاق کا معاہدہ یہ اور ایسے ہی کچھ اور نازک واقعات ہیں جن پر ہمارے ادیب ضابطہ بند طریقہ پر یا غیر محسوس طریقہ پر اب بھی اپنے ردِ عمل کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ ہندوستان میں عوامی راج قائم ہونے کے باوصف بھی جب غریب عوام کے دلوں کے ارمان بے نتیجہ رہے تو ایک بددلی کا ماحول پیدا ہوگیا۔ ملک کے چپّے چپّے میں یہ بحرانی کیفیت دیکھ کر خاص طور حساس طبقہ میں ایک جذباتی ہیجان پیدا ہوا۔ ادھوری آزادی کے خلاف ایک ادبی احتجاج شروع ہونے لگا۔ مہجور نے آزادی نام کی ایک قابلِ تعریف نظم لکھی جس میں تاریخی صورتِ حال کو لطیف طنز کی صورت میں نمایاں کیا گیا۔ اس دوران ملک کے دوسرے حصوں میں ترقی پسند تحریک کا زور بڑھ چکا تھا۔ آہستہ آہستہ ہمارے یہاں کے کشمیری ادیب بھی اس کے زیرِ اثر آئے۔ کلچرل کانگریس وجود میں آئی۔ اور مارکسی ادب کا جو نظریہ آزاد نے انفرادی حیثیت میں پیش کیا تھا اس نے ایک تحریک کی صورت اختیار کی اس طرح اس دور میں جو ادب تخلیق ہوا خواہ نثر ہو یا نظم وہ سب بندھے ٹکے فارموں کے تحت لکھا گیا۔ جس کی فکری رو Thought content ہر سطح پر ایک سی ہے۔ یہ ایک ایسی جذباتی لہر تھی جس کے ساتھ ادیب اور شاعر جان و دل سے وابستہ ہوگئے اور اس وابستگی کا نتیجہ یہ نکلا کہ شاعری ایک مخصوص نظریہ کا شکار ہوگئی۔ ادھار لیا ہوا پروپیگنڈا اور کھوکھلی نعرہ بازی اہم ادبی میزان کی شکل اختیار کرگئی۔ مزدور کو ایک فرشتہ بنا کر پیش کیا گیا۔ اور دھن دولت والے کی تذلیل اور لعنت و ملامت تخلیق کی لازمی اور بنیادی صنعت گردانی گئی۔ قدرتی بات تھی کہ اس سے شاعری فرمایشی (suggestive) چیز بن گئی اب تجربوں کی رنگارنگی اور اس کی اٹھان محال ہوگئی۔ شاعر کو اپنی انفرادی سوچ ایک اجتماعی نصب العین کی بھینٹ چڑھانا پڑی ان تمام باتوں کا حاصل یہ نکلا کہ اس دور میں کوئی اعلیٰ پایہ کی شاعری تخلیق نہیں ہوسکی۔

اس کے برعکس شاعروں نے اپنے بے لگام جذبات ایسے لفظوں میں پیش کرنے کی

کوشش کی جو عام فہم ہونے کے ساتھ ساتھ جوشیلے اور غصہ دلانے والے تھے جہاں ہر دعوے کے ساتھ ایک دلیل پیش کرنے کی کوشش ہوتی رہی۔ مثال کے طور پر یہ چند اشعار:

رعونت صاحب زر کی اور اس کا راج کب تک ہو
جو پُتلے کاٹھ کے ہوں ان کے سر پر تاج کب تک ہو
ذخیرہ ایک کے ہاں دوسرا محتاج کب تک ہو
میں ان مغرور سرمایہ پرستوں سے یہ پوچھوں گا
بہار نو پہ جو قابض ہیں ان مستوں سے پوچھوں گا

(نادم)

میں محنت کش ہوں، فصلیں سب کی سب میں نے اُگائی ہیں
زمین و آسماں میں رونقیں تو میں نے لائی ہیں
یہ شمعیں باغ، بن میں پھولوں کی میں نے جلائی ہیں
نظام نو کی خاطر اک نیا عالم بنانا ہے
اور اس عالم کی خاطر اک نیا آدم بنانا ہے

(نور محمد روشن)

کس نے کاٹا بے ستوں اور کون لایا جوے آب
دیکھ پہلے یہ تو پھر ہو بات شالیمار کی

(راہی)

کئی عیوب کے باوجود اس شاعری کی ایک تاریخی اہمیت ہے۔ مجھے آل احمد سرور کی اس رائے سے کافی حد تک اتفاق ہے۔

''یہ ادب ادبیت کم رکھتا ہے اس کے نغموں کی شیرینی کچھ عرصہ بعد پھیکی معلوم ہونے لگتی ہے۔ اس کے پاس جذبات میں ذہن نہیں ہے۔ گرمی ہے روشنی نہیں

ہے۔ دل ہے دماغ نہیں ہے۔ خیالات محدود ہیں اور معلومات ناکافی پھر بھی اس کی سچائی اور خلوص قابل قدر ہے۔"

ہمارے شاعروں کو اس تحریک سے وابستہ ہونے کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ ان میں کچھ کرنے اور سمجھنے کی امنگ جاگی۔ انھوں نے اپنی بات کو زیادہ وزن دار بنانے کے لیے دوسری زبانوں کی ادبی تحریکوں اور شعری تخلیقات کا سنجیدگی کے ساتھ مطالعہ کرنا شروع کیا جس سے ان کی سوچ میں وسعت ہوئی اور کچھ عرصہ بعد جب انھیں حقیقی ادب کی سچ مچ آگہی ملنے لگی تو انھوں نے اس نعرہ بازی سے دور ہونا شروع کیا جو ترقی پسند تحریک کا جزوایمان بن چکی تھی اور جو چند برسوں میں بے جان ہونے لگی اور نئی آگہی کا جذبہ ابھرنے لگا۔

یہاں ایک بات کہنا ضروری ہے کہ ترقی پسندی کے جنونی دور میں بھی ہمارے کئی شعرا اپنے ذہنی عقائد اور صوفیانہ خیالات کا رومانوی جذبوں کے سبب اپنی مخصوص لے میں اظہار کرتے رہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ایسے شاعروں میں کوئی بھی اس گھما گھمی پر ایک یا دوسری وجہ سے غالب نہ آسکا۔

بہر حال اس قسم کے شاعر برابر اپنے خوبصورت تخلیقی تجربوں سے کشمیری شاعری کے دامن میں موتی جڑتے رہے۔ ان کے روایت پسند ہونے کے باوجود ان کی دین قابلِ ستائش ہے۔

چہرے پر زردی حیا کی سنگ اسود کعبہ کا
عشق کے گوہر کی خاطر اِک کسوٹی دونوں ہیں
کاش جل اٹھوں اسی شمع فروزاں کی طرح
لیک سمجھے کس طرح کوئی پتنگے کی زبان

(محی الدین نواز)

ایک نے رحمٰن اک نے رام تجھ کو کہہ دیا
ایک نے سُبحان اک نے شیام تجھ کو کہہ دیا

ایک نے یزدان اک نے کرشن تجھ کو کہہ دیا
ایک نے بھگوان، اللہ دوسرے نے کہہ دیا
نام ہیں یہ سب الگ لیکن ہے مطلب ایک ہی
ہے تجھے تسلیم کرنا یا یہاں کر یا وہاں

(جانباز کشتواڑی)

بیل انگور کی ٹیڑھی میڑھی سیدھا اس کو کون کرے
بے بس کاری گر ہیں سارے دوست ذرا کچھ دیر ٹھہر

(صمد میر)

1960 کے آس پاس ہمارے شاعروں نے نئے نئے تخلیقی اور ہیئتی تجربے کرنے پر غور کرنا شروع کیا۔ موضوع کے اعتبار سے شاعری کو عقیدت کے نظریے سے الگ رکھ کر اسے شاعر کے داخلی احساسات کے تابع کردیا۔ کشمیری شعرا نے بھی وہی مسئلے اور موضوع اپنانا شروع کیے جن کی عکاسی اردو اور انگریزی زبان کے شاعروں کے یہاں ملتی ہے۔

19ویں صدی کی عقلیت (Rationalism)، ابدیت (Absolutism)، خارجیت (Determinism) اور مادیت (Materialism) جیسے فکری رویوں کو شک کی نظر سے دیکھا جانے لگا اور بیسویں صدی کی مشینی چہل پہل اور سائنسی نمود و نمائش نے جو ذہنی اور نفسیاتی مسئلے انسان کے لیے پیدا کیے ان پر دل و جان سے سوچا جانے لگا۔ حالانکہ عملاً یہ مسئلے اب بھی ہمارے لیے اتنے مشکل نہیں ہیں جتنے مشکل یہ مغرب میں آج سے برسوں پہلے تھے۔ البتہ زیادہ تر کتابی علم کے زیر اثر آنے پر ہی ہمارے شاعرں کا ہر بات پر سے اعتبار اٹھ گیا۔ اس نے فرائیڈ، ڈارون آئین سٹاین اور کارل مارکس وغیرہ کو پڑھا جو اس کے عقائد میں ارتعاش پیدا کر گئے۔ اُسے اقتصادی حالات کے زیر اثر تمام اخلاقی قدروں اور سچائیوں کے منہ لگنے پر آمادہ کیا۔ وہ ہر عمل کو اضافی جان کر نہایت ہی وحشیانہ حرکتوں کے جائز ہونے پر اصرار کرنے لگا۔ اسے لگا کہ یہ سارے خونی اور سماجی رشتے محض رسمی ہیں اور بنیادی طور پر

جھوٹ اور فریب پر مبنی ہیں اس طرح وہ اپنے آپ کو زندگی کی خوفناک ہواؤں کے طوفان میں تنہا خود اپنی زندگی کو بھی ایک اتفاق جان کر وہم و گماں کے رستوں سے گزرتا رہا۔ وہ بہت ہی ڈراونے اور تباہ کن انجام کے اندیشے میں ڈوبتا ابھرتا رہا۔

فکری طور یہ صورت حال سنگین اور لرزا دینے والی ہے جس کے لیے روایتی نوعیت کے شعری قالب اور بیانیہ الفاظ ناکافی ثابت ہوئے اس لیے کشمیری شعرا کو اس فکر کے ساتھ ہم آہنگ ہوکر شاعری میں ہیئتی تبدیلی لانے پر آمادہ ہونا پڑا اور یوں ہماری شاعری میں نظم معرا لکھنے کے تجربے کیے جانے لگے۔ ردیف قافیہ کی پابندی ختم ہونے لگی۔ علامت ہماری شاعری کا لازمہ اور الگ نہ ہونے والا جز بنی۔ معروض تلازمہ کا جو تصور ٹی ایس ایلیٹ نے پیش کیا تھا اس پر خاص توجہ دی جانے لگی۔ اس سے ہماری شاعری میں ایک نیا ماحول پیدا ہونے لگا۔ اور کشمیری شاعری کے قاری کو (جو خود ادیب اور شاعر ہی ہے) پہلی مرتبہ شعر میں معنی تلاش کرنے پر ذہنی جدو جہد کرنا پڑی اور مختلف جہتوں سرحدوں کو دریافت کرنے اور سمجھنے کی تحریک ملی:

حافظ کی زبان سے یزید کی چیخ سننے والے!
مری فریاد سُن
مرے عقب میں خنک سایہ دار درختوں کا جنگل تھا
انجانے پاگل پن میں جس کو کاٹ دیا
(رات کا تاروں بھرا آسمان مجھے کوستا ہے)
سامنے تنہا جزیرے میں پریوں کے گیتوں کی آوازیں تھیں
جن کو نوکیلی سوچوں نے رتیلے ٹیلوں کو کاٹ کھایا
بوٹی بوٹی کر کے چونچوں میں لے بھاگیں
(دن میں کتے روتے ہیں)

(صدا...... رحمٰن راہی)

گھور اندھیرا
کالی مٹی کی زمین کا ٹکڑا
ممتا بھری امید لیے...... یخ بستہ زمہریر کی کوکھ میں
ریت جیسے کچھ بیج کے دانے
جھولتا ہے

(حسرت......مظفر عازم)

ان نظموں میں مفہوم کی نہیں بلکہ تاثر کی اہمیت ہے۔

جو تشبیہیں استعارے اور علامتیں وغیرہ شاعر نے برتی ہوں وہ اس کی تخلیق کا تانا بانا بنتی ہیں۔ یہ طرزِ بیاں اگر چہ فنکار کے نہایت حساس اور پُر کار ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ مگر ساتھ ہی اس میں بلف (Bluff) کرنے کے امکانات موجود ہیں۔ کئی کشمیری شاعر اس نوع کی شاعری کو محض فیشن سمجھ کر اختیار کرتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں اس طرح کی بہت ہی کم پایہ اور معمولی شاعری پروان چڑھی ہے۔ حد یہ ہے کہ ایک رسالے میں چھپی اسی غایت کی نظم میں استعمال شدہ الفاظ اور پیکروں کی اصلیت کے بارے میں جب میں نے اس میگزین کے مدیر سے دریافت کیا تو وہ ان الفاظ کے سطحی معنوں کے بارے میں بھی کچھ نہ کہہ سکے۔ شاعرانہ نزاکتوں کو زیرِ بحث لانے کی تو بات ہی نہیں۔

نئی نظم رائج ہونے کے ساتھ ساتھ سانیٹ اور رباعی لکھنے کے بھی تجربے کیے جانے لگے۔ سانیٹ لکھنے کا تجربہ اگر چہ مقبول نہیں ہوا۔ البتہ رباعی آج بھی حوصلہ افزا صورت میں لکھی جاتی ہے۔ اس ہیئت میں عموماً مذہبی اور سماجی معاملات کا تجزیہ ہوتا ہے اور شاعروں کا اندازِ بیان عموماً کئی مقامات پر ناصحانہ اور اکثر جگہوں پر طنزیہ دکھائی دیتا ہے۔

میں ہوں اعلیٰ سیاست کار ہوں نا
میں غنڈہ اور شریف آزار ہوں نا
گوالوں کو بنایا ہے نظامی
میں رکھتا پتلوں پر دستار ہوں نا

(غلام رسول نازکی)

جمہوریت خریدی ہے کردار بیچ کر
دولت کمائی جُل سے وزارت کو کھینچ کر
اپنے مخالفوں کا دبوچا ہے ٹینٹوا
سچ دم بخود ہے، جھوٹ کیا ایسا مشتہر

(مرزا عارف)

نئ شاعری کا بیشتر حصہ غزل کی ہیئت میں لکھا گیا ہے۔ ہاں آج کی غزل اس غزل سے بالکل جدا گانہ ہے جو محمود گامی اور رسول میر کے وقت کہی جاتی تھی۔ رسول میر کے رسیلے شوق کے غلبے سے ذرا دور اگرچہ مہجور اور آزاد نے بھی اسے شعلہ ساماں جذبات عطا کیے پھر بھی کمتری کا احساس اس کا دائمی لازمہ رہا۔ مثال کے طور کہ یہ کہوں گا کہ اس وقت تک ہماری غزل کا عاشق (شاعر) مرد ہو کر بھی عورت اور معشوق عورت ہوتے ہوئے بھی مرد جانا جاتا تھا...... یہ غیر فطری رجحان جدید غزل گو شعرا نے رد کیا۔ عقل میں سمانے والے اور حقیقی رویے نے اپنی شناخت قائم کی۔

ہوئی جو اس میں ہے داخل ہماری وہ ہی مال
اندھیرے کمرے میں پھیلی ہے یوں بہار کی دھوپ

(مشعل سلطان پوری)

وقت کو طعنہ قیامت کا نہ دے
تو تو خود ہی ہے قیامت کی طرح

(ناجی منوّر)

پرانی غزل میں جو واعظانہ اور ناصحانہ رنگ غالب تھا نئ غزل میں وہ جگہ خود کلامی اور طنز نے لے لی۔

اس پرانے گھاٹے کو میں آج تک سہتا رہا
وجہ اس کی پوچھنے پر میں اسے دیکھا کیا

(مرغوب بانہالی)

اندر کی کشمکش (Self introspection) میں جو داخلی صورتِ حال شاعر نے محسوس کی اس کا اظہار ڈرامائی انداز میں کیا ہے۔

خود سے کیا بولوں کہ خود میں رہتا اک پردیسی ہوں
جھوٹ موٹھ کی شان میں رہتا تنہا اک پردیسی ہوں

(محی الدین گوہر)

نئی غزل کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں قافیہ کا برمحل اور خوبصورت استعمال دیکھنے کو ملتا ہے۔ قافیہ برتنے سے شعر میں حسن کا اضافہ ہوتا ہے۔ جب کہ پرانی غزل میں شعر کے تاثر کو ثانوی اہمیت دے کر شعر ہی قافیہ کے تابع کر دیا جاتا تھا۔ بیشتر ہم عصر شعرا قافیہ کی اہمیت سے بخوبی واقف ہیں۔ ان کی غزلوں کے اندر جذب ہونے کا جو سحر ہے اور دل میں اترنے کی جو تاثیر دیکھنے کو ملتی ہے اس میں فنی باریکیوں کا کافی دخل ہے۔

ساعت وہ مساوات کی بنتی تھی صفر سی
تفریق ایک سو تو جمع دوسری سو تھی

(غلام رسول جوش)

تو نے رازوں کو لفافوں میں چھپایا لیک گل
پوسٹر کھمبوں کے بنتے دیکھنا مانگے جگر

(رنجور تلگامی)

جدید غزل کہنے والوں میں ایک بڑی تعداد ان شعرا کی ہے جو روایت کی زنجیریں بیک آن توڑنے کی ہمت نہیں رکھتے ایسے شعرا کے کلام میں جو روایت اور نئے پن کی لطیف آمیزش ملتی ہے وہ ہم عصر کشمیری غزل کا دوسرا دلچسپ اور خوبصورت پہلو ہے۔

رنگوں کی اس بارگہہ میں حسن کی آرائشیں
جب بھی دیکھیں گم ہوئے الفاظ اور گونگے حروف

(ارجن دیو مجبور)

میرے مرنے کی منادی ہو چکی ہے کب کی، اور
ڈھونڈنے آئے ہو اب کے مجھ کو قبرستان میں

(محمد احسن احسن)

شاعری میں بے قافیہ غزل اور سفید نظم لکھنے کے تجربے بھی ہوگئے۔ لیکن ہمارے تجربے ہمارے شعری مزاج کو راس نہیں آئے اس لیے آگے نہ بڑھ سکے۔ موضوعات کے اعتبار سے جدید کشمیری شاعری میں صوفیانہ خیالات اور بالا فطری تصورات کا ایک خوب تر اضافہ ہونے لگا ہے۔ جس کے آگے بڑھنے اور عام ہونے کے کافی امکانات ہیں۔ یہ کہنا لازمی ہے کہ یہ رجحان روایتی نوعیت کی صوفی شاعری اور رزمیہ داستانوں سے مختلف ہے۔ اور اس کا محرک مرشد کی تربیت نہیں بلکہ موجودہ زمانے کی ترقی کے وہ اثرات ہیں جنھوں نے انسان کو ایک بڑے ذہنی عذاب میں مبتلا کر کے دورِسلف کا پجاری بنایا۔ یہ رجحان خاص طور بعد میں آنے والی پیڑھی کے شاعروں میں پایا جاتا ہے۔ اس پیڑھی سے وابستہ شاعروں نے خصوصی طور نئی کشمیری غزل کا دامن وسیع کیا۔ چند شعرا سرے سے ہی نئے طرز اور اسلوب لے کر آئے جس کی قابلِ قدر خصوصیت یہ ہے کہ پڑھنے اور سننے والے دونوں ان سے حظ اٹھاتے ہیں۔

یہ کن آنکھوں کے موتی راہ میں بے قدر بکھرے ہیں
کوئی محرم نہ ہو اس سے جبھی بادل برستے ہیں

(شہناز رشید)

ہے خدائی دھوپ کی آوارہ ہر سو دیکھنا
یا ہے کھڑکی پر لٹکتا کالا جادو دیکھنا

(نسیم شفائی)

اس نسل کے شاعروں کی برّاق توانائی اور شوق انگیز چہرہ اگر چہ کشمیری شاعری میں نئے نئے تخلیقی امکانات کی پہنچان بنانے کی کوشش میں حوصلہ افزا طریقہ پر آگے آگے بڑھتے

ہیں۔ اس کے باوجود ہم آئندہ کی شاعری کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔ البتہ بقولِ وزیر آغا:

ان گنت رنگوں کے پر بکھرے ہوئے ہیں ہر طرف
وقت کا گھایل پرندہ پھر سے جولانی میں ہے

ساہتیہ اکادمی کی طرف سے شائع ہونے والا یہ مختصر مجموعہ 1947 سے 2010 تک کی منتخب شعری تخلیقات پر مشتمل ہے۔ یہ مجموعہ ترتیب دینے کے سلسلے میں ہماری کوشش رہی ہے کہ اس عرصہ میں وجود میں آنے والی ہر طرح کی نہج اور اظہار کے طریقے اس میں شامل ہونے چاہئیں۔ اس مجموعہ کے لیے پہلے ہی سے صفحوں کی تعداد مقرر کی گئی تھی جس کی وجہ سے سارے شاعروں کا کلام اس میں شامل کرنا ممکن نہیں تھا۔ تاہم ہماری کوشش یہ رہی ہے کہ اس دور کا کوئی نمائندہ شاعر رہ نہ جائے۔ اس کے باوصف ممکن ہے کہ کوئی نہ کوئی سہو ہوا ہوگا جس کے لیے ہم پیشگی معذرت خواہ ہیں۔

اس انتخاب کا ترجمہ ہندوستان کی دوسری زبانوں میں بھی ہوگا۔ اس طرح ہمارے اس دور کی چنندہ شاعری کروڑوں لوگوں تک پہنچے گی جو ایک حوصلہ افزا بات ہے۔

عزیز حاجنی

غلام احمد مہجور

غزل

میری سکھی وہ دلبر میرا، جانے مجھ سے روٹھا کیوں
ہے مجھ کو معلوم کہ وہ جا بیٹھا ہے پریوں کے دیس
غیروں سے میں اپنے دل کا حال کہوں تو کیا بولوں؟
ہے مجھ کو معلوم کہ وہ جا بیٹھا ہے پریوں کے دیس

میرا پیا وہ میرا پریتم گلزاروں میں گھومے ہے
لال گلابی پھولوں کی محفل میں کچھ کچھ بیٹھے ہے
دیکھتے دیکھتے پھول ہر اک رنگ ایسا ہی اپنائے ہے
ہے مجھ کو معلوم کہ وہ جا بیٹھا ہے پریوں کے دیس

عاشق پیار ٹھکانے میں تو دل اپنا ہے کھو آیا
من کا جو بازار ہے اس میں بولی کا آغاز ہوا
کوڑی مول بکے ہیں بیسوں گاہک اک لپستان ہوا
ہے مجھ کو معلوم کہ وہ جا بیٹھا ہے پریوں کے دیس

سندر ناری وہ دیوانی جو کرتی تھی ساز سنگھار
چھپ چھپ آئینہ کے آگے دیکھا کرتی تھی ویوہار
دل کی لگی کے اک جھگڑے نے ڈھیر کیا وہ سب یکبار
ہے مجھ کو معلوم کہ وہ جا بیٹھا ہے پریوں کے دیس

کھلنے کو جب شانہ کیا ہے زلفوں کے پیچانوں میں
روشنی چھپ کے جا بیٹھی ہے دور کہیں دردانوں میں

خوشبو پھیلی گلشن گلشن کچھ کچھ تو یہ جانوں میں
ہے مجھ کو معلوم کہ وہ جا بیٹھا ہے پریوں کے دیس
اس کا روے ناز جو دیکھو ہے یہ دو زلفوں کے بیچ
شہر کے دائیں بائیں جیسے اس کے دو رکھوالے ہوں
چاند تو سچ مچ آدھی رات زیادہ روشن ہوتا ہے
ہے مجھ کو معلوم کہ وہ جا بیٹھا ہے پریوں کے دیس
جنگل جنگل گھومی ہوں میں کوہ و بیاباں چھانے ہیں
میں تو خود حیراں تھی کیسے آئی میں ویرانوں میں
کیا کیا مجھ کو سہنا پڑا ہے یہ تو میں ہی جانوں ہوں
ہے مجھ کو معلوم کہ وہ جا بیٹھا ہے پریوں کے دیس
پھول کی قدر و قیمت کیا ہے کانٹے یہ کیا جانے ہیں
دانا جیسے گھِر جائے ہے بیچ کہیں نادانوں میں
کوکھ ہے ان کی ایک مگر کب اِک دوجے کو مانے ہیں
ہے مجھ کو معلوم کہ وہ جا بیٹھا ہے پریوں کے دیس
میرا دل تو خوب سجے ہے رکھ دے جو گلدانوں میں
پیدا ہو کے پلا بڑھا ہے یہ تو سنبلستانوں میں
غنچہ دہانوں کی خدمت تو اس کی سارے جانے ہیں
ہے مجھ کو معلوم کہ وہ جا بیٹھا ہے پریوں کے دیس
یہ تو وہی ہے جو رکھی تھی میر کے ان خمخانوں میں
ہم نے تو گاہک کی خاطر رکھ دی ہے میخانوں میں
بانٹنے کو مہجور تو رکھدے اپنے ان پیمانوں میں
ہے مجھ کو معلوم کہ وہ جا بیٹھا ہے پریوں کے دیس

غلام احمد مہجور

غزل

شاید اس دلبر کو پاؤں جوگن بن کر جاؤں میں
گاؤں گاؤں کھوج لگاؤں پیچھے پیچھے آؤں میں

ہو ممکن جو غصہ چھوڑ کے ڈالے مجھ پر ایک نگاہ
تو ساون کی جوہی بن کر جوبن سے اِٹھلاؤں میں

کام دیو ڈل کی سیر کو نکلا رات ٹھہرنا ہے تیل بل
ہائے کنول صورت پانی میں درشن کرنے جاؤں میں

کیسے کہدوں پیار کا تپ ہے پُرسش کی انجانے میں
پل دو پل وہ رُک جائے گر کچھ تو بھلی ہو جاؤں میں

وہ جو آئے سوز مرا سننے کو اپنے آپ کبھی
تار ربابِ دل کے کَس کر پھولوں پھر نہ سماؤں میں

نرم جو اس کا سنگیں دِل پڑ جائے میرے رونے سے
روز و شب ان دو آنکھوں سے خون بہاتے جاؤں میں

پیار کے یہ افسانے سن کر وہ مہجور سے کیا بولیں
بن کے گوش سراپا اس کو سنتے ہی رہ جاؤں میں

○

عبدالاحد آزاد

دریا

مری حسرت کا پورا ہونا مضطر ولولوں میں ہے
مرا سوزِ حیات اپنے سفر کی منزلوں میں ہے

———

وہ کھائی ہو کہ خندق ہو، میں دن اور رات چلتا ہوں
نہ محتاج ثناہوں ناکلیلوں سے بہلتا ہوں
تمیز اپنی نہ چمگادڑ نہ کوئی بلبلوں میں ہے
مرا سوزِ حیات اپنے سفر کی منزلوں میں ہے

———

خوشامد یا ملامت کی میں کچھ پروا نہیں کرتا
میں جس کے واسطے پیدا ہوا بس ہوں وہی کرتا
نہیں نوکر کہ افسر لکھ دے یہ بھی قابلوں میں ہے
مرا سوزِ حیات اپنے سفر کی منزلوں میں ہے

———

مری عادت نہیں پیچھے کو مڑنا آگے چلنا ہے
نہ گل خود کو سجانا ہے اور نہ بلبل گھر بنانا ہے
خوشی تو اضطرابوں انقلابوں زلزلوں میں ہے
مرا سوزِ حیات اپنے سفر کی منزلوں میں ہے

———

میں ہر اونچے کو نیچا کر کے آگے کو نکلتا ہوں
کسی بھی سنگِ خارا یا رکاوٹ کو ہٹاتا ہوں
نہ ڈر وسواس قضیوں میں نہ الجھن مسئلوں میں ہے
مرا سوزِ حیات اپنے سفر کی منزلوں میں ہے

جہاں سنگین فصیلیں ہوں بلائیں ہوں نمٹتا ہوں
بکھرتا ہوں مگر آخر میں اپنے میں سمٹتا ہوں
اٹھانا پھر پٹخنا، کام میرا جنگلوں میں ہے
مرا سوزِ حیات اپنے سفر کی منزلوں میں ہے

ہوں دیوانہ محبت کا، وہی سامان رکھتا ہوں
کبھی گرداب گہہ سیلاب گہہ طوفان بنتا ہوں
وقارِ ڈل، سمندر شان میرے ولولوں میں ہے
مرا سوزِ حیات اپنے سفر کی منزلوں میں ہے

ملی ہے ابر کو پرواز راحت مجھ سے بارش کو
فلک بھی لاجوردی پیرہن پہنے نمایش کو
گرجنا دندنانا بجلیوں اور بادلوں میں ہے
مرا سوزِ حیات اپنے سفر کی منزلوں میں ہے

زمانے کے لیے رکھا ہے میں نے وقف اپنے کو
مری جاں سب کی خاطر ہے نہیں خالی یہ کہنے کو

نہیں رکنا ٹھہرنا کوئی میرے مشغلوں میں ہے
مرا سوزِ حیات اپنے سفر کی منزلوں میں ہے

مری رفتار کی شدّت سے پتھر چور ہوتے ہیں
حسیں مجھ میں نہاتے ہیں تو وہ مسرور ہوتے ہیں
یہ میری سادگی اور پیار میرے سلسلوں میں ہے
مرا سوزِ حیات اپنے سفر کی منزلوں میں ہے

پلائی زندگی کی مے بہاروں سے جو نسبت ہے
ہے درد و سوز کی جو نَے بجے پینے سے پے در پے
پیامِ گُل شیشۂ مَے تو میرے ولولوں میں ہے
مرا سوزِ حیات اپنے سفر کی منزلوں میں ہے

○

ماسٹر زندہ کول

مانجھی مجھ کو پار اُتار

بگڑ گیا ہے شہر ہمارا رہنا بسنا دور ہے دور
سانٹھ گانٹھ ہے لوٹ ہوس میں جن کے بیچ ہے مسکین چور
بھاگوں، پھرنا لوٹوں یار، مانجھی مجھ کو پار اُتار

ظالم مکڑ جال لیے ہیں گھات میں سارے زورآور
خوف نہیں حاکم کا کوئی، نا ہی کبھی پرسش کا ڈر
حاوی جادو اور زردار، مانجھی مجھ کو پار اُتار

کھیل نہ پائے جو بازو، وہ محل بنائیں اوروں کے
کھوئی آنکھوں کی بینائی کام کرے ہیں چوروں کے
گدھے جیسے ڈھوئیں بار، مانجھی مجھ کو پار اُتار

جابر ہے تسلیم خدا اور پوجا اس کی خالی چھل
کر لیں نہ خوشامد جو ان کی کام آئیں ان کے کیسے نکل
نیکوں نے ہے بیڑا پار، مانجھی مجھ کو پار اُتار

وہ غوث ولی سچے رہبر، گو مر گئے اپنے کو ہیں مگر
اپنے میں نہ کوئی جاں نہ اثر ہیں مندر مسجد خالی گھر
مُلاّ برہمن ہیں عیاّر، مانجھی مجھ کو پار اُتار

وہ سندر پنچھی چوپائے، جو خود کو بچانے تھے آئے
وہ کاٹ کے ہم نے ہیں کھائے اور ان کے نشیمن ہیں ڈھائے
سارا ہے خونی بیوپار، مانجھی مجھ کو پار اُتار

ہو پوجا اک مالک کی جہاں، داتا ہو ماں اور باپ جہاں
سب اُن کے لیے جیتے ہوں جہاں، ہو سیدھا رستہ سب کا جہاں
سب مل جل کر رہتے ہوں جہاں، ہو پیار محبت جن کا نشاں
جی چاہے ہے بس جاوں وہاں، جی چاہے ہے بس جاوں وہاں

○

صمد میر

معنی ہیں الگ

میری باتیں الگ جہاں کی ان کے معنی اور ہی اور
ساتوں کے جو گیت سنو تم پیارے ان پر کرنا غور
گننا گننا صدہا گِننا گم ہو کر رہتا ہے ایک
ساتوں کے جو گیت سنو تم پیارے ان پر کرنا غور
قافلہ میرا دور ہوا ہے میں دوڑوں گا تو کس کی اور
اس نے مجھ کو مار ہی ڈالا ماتم کے ہیں میرے طور
غافل تیرا آنا جانا بے مطلب بے حاصل ہے
ساتوں کے جو گیت سنو تم پیارے ان پر کرنا غور
مجھ کو سرِ رہ چھوڑ کے تنہا آپ جو چاہا کر بیٹھا
لمحہ لمحہ جیسے چاہا دل کو پریشاں کر بیٹھا
بالوں میں آئی ہے سفیدی کپڑے گھستے ہیں ہر اور
ساتوں کے جو گیت سنو تم پیارے ان پر کرنا غور
کچا تھا اخلاص کا رشتہ۔ جانے کیسے ٹوٹ گیا
پینا خون کے گھونٹ پڑے ہیں دامن اس کا چھوٹ گیا
صبر مہینوں ہفتوں کرکے آیا کیسا پڑاو کٹھور
ساتوں کے جو گیت سنو تم پیارے ان پر کرنا غور
شمع کے روشن ہونے پر پروانے نے کیا دیکھا
روئی تھی وہ، لیکن اس نے خود کو اس پروار دیا

عاشق کا بس کام ہے اتنا ایسے طواف پہ دینا زور
ساتوں کے جو گیت سنو تم پیارے ان پر کرنا غور

درد کو تو کیا جانے زاہد اس کا دم کیا بھرتا ہے
تو شداد کی صورت اپنے باغ میں گھوما کرتا ہے
بننا ہے منصور الگ اور دعویٰ کرنا ہے کچھ اور
ساتوں کے جو گیت سنو تم پیارے ان پر کرنا غور

دنیا تو مہمان کی صورت آنے جانے کی ہے سرائے
ڈر رہتا ہے میری پونجی شیطان آ کے لے نا جائے
ناہی اس کو مار سکا نا تو ڑہی پایا اس کا زور
ساتوں کے جو گیت سنو تم پیارے ان پر کرنا غور

وہ جو تھے غوّاص انھوں نے موتی چُن چُن لائے ہیں
راز کے اک نقطے نے وہ سب جانِ جہاں بنائے ہیں
جانے کس گرداب میں کھویا میر صمد نکلا کس اور
ساتوں کے جو گیت سنو تم پیارے ان پر کرنا غور

○

صمد میر

سہنا پڑا

اے سکھی وہ بوجھ بھاری دے گیا، سہنا پڑا
تھا گلابی چہرہ کالا پڑ گیا، سہنا پڑا
کس لیے آیا تھا کیا کرنے؟ فقط اک غم ملا
کاتب تقدیر جو کچھ لِکھ گیا، سہنا پڑا
میں جو بابل سے چلی سسرال، کچھ آیا نہ راس
ساس کا حق تھا کہ جو اس نے کہا، سہنا پڑا
خط لکھے مدّت ہوئی، پایا نہ اب تک کچھ جواب
تجھ پہ خود کو وار کے جو کچھ ملا، سہنا پڑا
جاننا جو کچھ نہ تھا، وہ جاننا ہی پڑ گیا
ہائے کیا کچھ کام سوتن نے لیا، سہنا پڑا
جب سے مجھ کو واسطہ دو سے پڑا میں گھل گیا
خون، آنسو اور پسینہ پی لیا، سہنا پڑا
پاؤں تھک کر چور ہیں، جاں خستہ، کچھ مانا نہیں
وہ صمد میر بس اسی کا ہو لیا، سہنا پڑا

غلام رسول کامگار

نعت

کاش اے بادِ صبا شہر مدینہ جائے تو
میرے یہ احوال پیشِ شاہِ دیںؐ رکھ جائے تو

کاش لے جائے تو میری جاں سراپا اشتیاق
اور اس کو مرقدِ سلطاں پہ وارے جائے تو

تیرا سینہ ہے الم نشرح تو یاسیں ہے لقب
تاجدارِ عالمِ لولاک سے کہہ جائے تو

دیدنی منظر کہ تھامے ہے سواری جبرئیل
کاش اس معراج کے نوشہ سے یہ بتلائے تو

کر کے فرشِ راہ آنکھیں، سر کو رکھ دوں پاؤں پر
مجھ خطاؤں سے بھرے پر جو نگہہ کر جائے تو

ایک ہے دریائے رحمت جو کہ تیری ذات ہے
کیا بھلا ہو ایک قطرہ جو مجھے دے جائے تو

تو کہ ہے ملکِ رسالت کا شہنشاہِ عظیم
رُویتِ مہرِ فَتَــحُـنَــا سے مجھے تڑپائے تو

ہو دعا مقبول میری تو بنوں میں کامگار
باغ دیں میں پھر بہارِ بے خزاں جا لائے تو

○

احد زرگر

غزل

آغاز سے کیوں غارتِ تازہ چمنی ہے
یہ بات مرے قلب میں نیزے کی انی ہے
مرگھٹ کی طرف رخصتِ گلبدنی ہے
یہ بات مرے قلب میں نیزے کی انی ہے
آرے سے کٹا، کٹ کے گرا مثل صنوبر
اک پیکر صد پارہ و خستہ ہوں سراسر
اندر ہی سے جاری کوئی ناوک فگنی ہے
یہ بات مرے قلب میں نیزے کی انی ہے
اب شعلوں کے نرغے میں ہے ملبوس سراسر
کس طرح بھبھوت اب نہ ملوں جسم کے اوپر
اب جسم مِرا مائلِ آتش فگنی ہے
یہ بات مرے قلب میں نیزے کی انی ہے
صندل تھا میں اور نیلا ہوا روپ بدل کر
پھر زعفراں کے رنگ سا پیلا ہوا پیکر
بلبل کو لگی خامشی و بے سخنی ہے
یہ بات مرے قلب میں نیزے کی انی ہے
جاں بیچ کے جس چیز کا سودا تھا مقرر
وہ لاکے رکھی میں نے فراوان و میسر

اس پر بھی تسلی تو نہیں حرف زنی ہے
یہ بات مرے قلب میں نیزے کی انی ہے

چکی کو ذرا دیکھ لیا میں نے نظر بھر
ظاہر تھی کما کانَ کی تاثیر ہی اکثر
لگتا تھا ہوا دینے لگی زلف گھنی ہے
یہ بات مرے قلب میں نیزے کی انی ہے

چھت کے کسی گوشے میں کہ دیوار کے اوپر
جو سانس کہ وا کرتی ہے مکڑ کے سبھی در
وہ شہد کی مکھی کے لیے کوہ کنی ہے
یہ بات مرے قلب میں نیزے کی انی ہے

دل کے ہی تعاقب میں تو ہوگا کہیں اندر
اپنی ہی غزل گاتا ہے جوگی جو ہے زرگر
اب نغمہ سرا حُورہَ جنت وطنی ہے
یہ بات مرے قلب میں نیزے کی انی ہے

O

احد زرگر

غزل

ذکر، افلاک میں توحید کے خورشید کا ہے
عارفوں کی جو ہے تحقیق، جدا ہے سب سے
ذرّے ذرّے پہ اُسی کا (ابدی) قبضہ ہے
عارفوں کی جو ہے تحقیق، جدا ہے سب سے

نور کلمے کا ہے کعبے میں، صنم خانے میں
علم کی روشنی میں جان لے اُس کا کلمہ
کلمہ اُس کی شہادت کا ہے مومن کی متاع
عارفوں کی جو ہے تحقیق، جدا ہے سب سے

تھام لے فکر سے تو ذکرِ خدا کا دامن
کاسہ گر کی ہے دکاں چاک کی گردش سے رواں
ذکر کرنے میں توازن نہ کہیں کھو دینا
عارفوں کی جو ہے تحقیق، جدا ہے سب سے

عشق کا سودا مہیا ہے ہر اِک دوکاں پر
عشق کا بیش بہا کرتی ہے اُس کی خوشبو
وزن و میزان ہیں بازار میں اِترائے ہوئے
عارفوں کی جو ہے تحقیق، جدا ہے سب سے

ہیں پرستان میں صف آرا حسیں تر پریاں
اپنے نغمات سے دِل موہ رہی ہیں میرا

آتی ہیں مکتبوں میں غزلیں بہت ہی اعلیٰ
عارفوں کی جو ہے تحقیق، جدا ہے سب سے

ہو گیا گیان میں یکسوئی سے مصروف رِشی
جان کا اپنی وہاں پیش کیا نذرانہ
اُس کے شاگرد نے اُس کو لیا شش کلیاں میں
عارفوں کی جو ہے تحقیق، جدا ہے سب سے

جو سمجھ لیتا ہے 'بحرین' کی گہرائی کو،
لاتا ہے ڈھونڈھ کے وہ لوء لوء و مرجاں آخر
بعدِ دُنیا جو فصیل آتی ہے، وہ ہے برزخ
عارفوں کی جو ہے تحقیق، جدا ہے سب سے

پُرکشش ہوتی ہے عُریانی بھی پیراہن میں
بس نمائش ہی نہیں، جالیوں والا دامن
غیر آباد کو ہے بستی کی سوغات یہی
عارفوں کی جو ہے تحقیق، جدا ہے سب سے

جب زمیں اور فلک روبہ فنا ہوں گے تو پھر
جان لے یہ بھی کہ کیا ہوں گے بقا کے آثار
دیکھ قرآن میں 'یبقیٰ' کا پیام آیا ہے
عارفوں کی جو ہے تحقیق،، جدا ہے سب سے

لامکاں ہی میں ہے پاکیزگی 'لا' کا وجود
جابجا جس میں ہوا جلوہ نُما اِلاّ اللّٰہ
لام سے میم، سوئے منزلِ اعلیٰ پہنچا
عارفوں کی جو ہے تحقیق، جدا ہے سب سے

خاص رنگریز نے خُم خانے میں دِکھا دے کر

رنگ تبدیل کیے، لاکھوں ہزاروں میرے
ہوگیا ہستیِ رنگیں کو پرَکھ کر میں تباہ
عارفوں کی جو ہے تحقیق، جدا ہے سب سے
گھی شکر (نامِ خدا) منھ میں احدزرگر کے
دے گیا فقر کی آگاہی اُسے ایک فقیر
نکتہ داں کے لیے ہیں لعل و گہر، یہ اَسرار
عارفوں کی جو ہے تحقیق، جدا ہے سب سے

○

غلام رسول، نشاط کشتواڑی

قطعات

❶

ہوں کشمیری، مری اپنی زباں ہے
ہے اس پر ناز، یہ اغلب گماں ہے
یہی تہذیب کا میری نشاں ہے
کہ قائل اسکی عظمت کا زماں ہے

❷

ہے چشمِ کرم تیری درکار شاہا
ترا در بڑا فیض آثار شاہا
ہے منت کشِ آقاؐ ہر کشتواڑی (1)
بنا. خارزاروں کو گلزار شاہا!

❸

محبت زندگی کا ایک نشاں ہے
محبت ایک گنج دوجہاں ہے
محبت عشق کی اک داستاں ہے
محبت نوبہار گلستاں ہے
محبت د وجہانوں کی ہے دولت
زمینوں آسمانوں کی ہے عظمت

○

1 شاعر کشتواڑ کا باشندہ تھا جو ریاست جموں وکشمیر کے جموں علاقے کا ایک خوبصورت پہاڑی قصبہ ہے۔

رسا جاوِدانی

غزل

محبت تیری، دل میں یوں در آئے
کنول پانی میں جیسے مسکرائے

محبت اے محبت! مہرِ تاباں
جھلک تیری مٹائے غم کے سائے

ہے نورِ عشق سے روشن زمانہ
محبت کی کرن دنیا جلائے

لباسِ آتشیں پہنے محبت!
یہ کہساروں سے جوئے شیر لائے

جہاں میں کون ہے جو مطمئن ہے
دیئے گو آرزو کے جگمگائے

محبت کی ہے اس پر مہربانی
رسا شہرِ خرد سے لوٹ آئے

○

رسا جاوِدانی

غزل

اضطرابِ عِشق ہے اِس کے سِوا چارہ نہیں
یار او جھل آنکھ سے جب ہوگیا، چارہ نہیں
ہے خطا اُس کی مگر از راہ و رسمِ عاشقی
میں قدم بوسی کروں، اِس کے سوا چارہ نہیں
دمبدم بلبل گلستاں میں ہے دیکھو نوحہ خواں
جب ازل میں اسکے ہے لکھا ہوا، چارہ نہیں
وہ ہے گلگشتِ خراماں کے لیے پُر عزم آج
فصلِ گُل پھولوں سے بھردے راستہ، چارہ نہیں
شمع کے سر سے اٹھا شعلہ، دکھا کر سوزِ عشق
اب پتنگا جل مرَے، اِس کے بنا چارہ نہیں
گریہ بادل، نالہ بلبل، خندہ گل نے بھی کیا
جس کا جو منصب تھا وہ کرنا پڑا، چارہ نہیں
ڈوٗل[1] والے کے اشارے پر کہی تازہ غزل
حکم کی تعمیل کرنا تھی رسا، چارہ نہیں

○

1 غلام نبی جانباز ڈوٗلی والی (ڈوٗلی والی ڈوٗل کا باشندہ)

غلام احمد فاضل کشمیری

کمھار کی بیٹی

گُلشن میں تیرے دم سے ہے پھولوں میں تازگی
کتنی حسیں ہے تو، ارے بیٹی کمھار کی
لعل و گہر کی مالا میں پہناؤں گا تجھے
کتنی حسیں ہے تو، ارے بیٹی کمھار کی

کیا خوب ہے تو نرگس و سنبل کے درمیاں
کشمیری دو گلاب ہیں دونوں طرف عیاں
دیوانہ وار جھومنے بُلبل لگے سبھی
کتنی حسیں ہے تو، ارے بیٹی کمھار کی

ہیں دامن جبیں پہ دو ابرو لیے ہوئے
دو آفتاب ایک ہی صف میں سجے ہوئے
جھکتی یہیں جبین ہے ہر خاص و عام کی
کتنی حسیں ہے تو، ارے بیٹی کمھار کی

گردن میں تیری، لِپٹے ہیں کاکل یہ بیشمار
نافہ میں حسن کے جوں ملے سبزۂ بہار
نازک سی شاخِ گُل کے عقب میں ہے ناگ بھی
کتنی حسیں ہے تو، ارے بیٹی کمھار کی

گردن میں ہار، کان میں شیشے کے بالے ہیں
جیسے کہ ماہتاب کے پُر نور ہالے ہیں

ابرِ سیہ کے بیچ میں بیٹھی ہے برق سی
کتنی حسیں ہے تو، ارے بیٹی کمھار کی

غیرت کے ساتھ کرتی ہے غارت ہر ایک کو
غمزے سے تیری زندگی لیتی ہے ہاتھ دھو!
معصوم سی ہیں باتیں تری، سحر سے بھری
کتنی حسیں ہے تو، ارے بیٹی کمھار کی

نازک سے دست و بازو کو تھکنے سے تو بچا
مٹی میں چاک پر، مرے دِل کو نہ تو مِلا
مٹی لگے نہ دستِ حنا بستہ میں کبھی
کتنی حسیں ہے تو، ارے بیٹی کمھار کی

فاضل نے تیرے حسن کی دیکھی جو اِک جھلک
شہرت تری پہنچ گئی از فرش تا فلک
کیا گاؤں شہر، بات یہ سرحد پہ بھی گئی
کتنی حسیں ہے تو، ارے بیٹی کمھار کی

○

مرزا غلام حسن بیگ عارف

قطعات/ چہار مصرع

❶

وہ دیکھو شیر گیدڑ بن گیا ہے
یہ چوہا ہے جو فیلِ مست سا ہے
کرے سچ جھوٹ کا ماحول قائم
یہ جالا ہی فصیلوں سے بڑا ہے

❷

سیاسی دوستی ہے کاغذی ناؤ
نہ مثلِ حرف اس پر خود کو لکھواؤ
بنو ساتھی نہ بہتی لہر کے تم
قدم آگے بڑھانا ہے تو آجاؤ

❸

مناتے جشن دیکھا میں نے ابلیس
بہت تھی بھیڑ، اندر تھی لگی فیس
سنو، ہے عقل اب ایماں سے عاری
نیا مذہب نکالا کر دیے پیس

❹

گڑھے کو سجدے میں گر کر ملا آب
حباب تشنہ پانی میں ہے بے آب
سمندر سے ہے بہتر یہ سماوار
ابلتے ہی، پیالا ہوگا سیراب

○

مرزا غلام حسن بیگ عارف

کوہِ بانہال اور دہقان

بول! یہ کوہِ بانہال، کرنے کو سر کہاں چڑھا، پاؤں تو جل نہیں گئے
برف پہ ننگے پاؤں ہی، دور تلک بہت چلا، پاؤں تو جل نہیں گئے

جلتے توے پہ بھُن کے اب نیم حرارتوں کے بیچ خِطّۂ اعتدال میں
کندھے پہ بوجھ کو لیے چلتا ہوا تو آگیا پاؤں تو جل نہیں گئے

بھوک میں اور پیاس میں بارِ گراں لیے چلا سرد ہوا مثال یخ
اتنی تھی اُستخواں گداز ہوتا رہا تو اَدھ مُوا پاؤں تو جل نہیں گئے

تُلسی چنبیلی کی بہار اوروں نے دیکھی ہے یہاں جو بھی کمائی اپنی تھی
دوسرے لوگ کھا گئے تو تو بدیس میں تھکا پاؤں تو جل نہیں گئے

بیٹھتے ہیں امیر سب گرما میں، سرد خانے میں سرما میں سرد کمرے میں
اُن کے لیے تو مثلِ خر بوجھ اُٹھائے آگیا پاؤں تو جل نہیں گئے

روٹی کہاں نصیب ہے خالی ہے تیرا ہاتھ بھی پھیکا ہے تیرا رنگ بھی
کھیتوں میں اپنی قوتیں دے کے یہاں کو چل پڑا پاؤں نہیں گئے

بچّے ہیں انتظار میں لوٹ کے گھر کو آئے گا روپے پیسے لائے گا
تو ہے بہت نحیف و زار کیسے یہ گھر چلائے گا پاؤں تو جل نہیں گئے

دیکھ وہیں پہ لیٹ جا دل میں جو داغ ہیں ترے خود ہی یہ برف دھوئے گی
بادِ بہار بولے گی جو کہ اُدھر گزر گیا پاؤں تو جل نہیں گئے

○

غلام رسول نازکی

قطعات/ چہار مصرع

❶

فضائیں آتشیں، خونخوار دریا اور طوفاں ہے
سفینہ کوئی ساحل پر کوئی لہروں پہ لرزاں ہے
کہا ملاح نے اندیشۂ طوفاں نہیں کرنا
سفینہ بھی وہی، دریا وہی جو خود ہی طوفاں ہے

❷

تجھے گلاب نے دیکھا تو ہوگیا سوسن
یہ انفعال کے آنسو بہا گیا جوبن
روانہ ہوگیا یوسف، زلیخا خواب بنے
خوشی ہے ساقی کو میخانہ بن گیا گلشن

❸

فق رنگِ زَنن پوش ہے جاناں ترے آگے
صد چاک ہے دامانِ گُلستاں ترے آگے
زخموں پہ نمک یوں نہ چھڑک ہو کے خفا تو
لب کھول کہ گُلشن ہے بیاباں ترے آگے

❹

حسینہ چہل قدمی کررہی تھی جُو یباروں میں
کئی گونج اُٹھے شیرین نغمے جیسے سبزہ زاروں میں
اسی بھگدڑ میں جیسے منہ بھی دھویا آبشاروں نے
سنا ہے اِک نظر دیکھا کنکھیوں سے بہاروں نے

○

جانباز کشتواڑی

ملاقات

❶

اے جانِ تمنا یہ ملاقات ذرا دیکھ
اِک سمت سے آتی ہے یہ بارات کسی کی
اک سمت ہے آماد گئی دفن و کفن بھی
اک سمت کسی پر شبِ آلام ہے بھاری
اِک سمت مے و نغمہ کی یہ رات ذرا دیکھ
اے جانِ تمنا یہ ملاقات ذرا دیکھ

❷

دِن وہ بھی تھے جب آنکھوں پہ تم کو تھا بٹھایا
دن وہ بھی تھے، میں نے تمھیں ہر روز بُلایا
اور فرطِ محبت میں کوئی گیت بھی گایا
پڑھتا رہا گاہے میں مناجات ذرا دیکھ
اے جانِ تمنا یہ ملاقات ذرا دیکھ

❸

میں ہوگیا ہوں آج تری یاد میں پاگل
پڑھتا ہوں سدا سورۂ اخلاص مُسلسل
مرتا ہوں ترے درد میں ہوہو کے میں بیکل

یہ دن بھی مجھے لگتا ہے اب رات ذرا دیکھ
اے جانِ تمنا یہ ملاقات ذرا دیکھ

④

اچھا ہے کہ ہم میں کوئی نیچا ہو نہ اونچا
یکجائی و وحدت کو بھی تم نے کبھی سمجھا
مقصد ہے جو اصلی، کبھی اُس پر بھی ہے سوچا
کہتے ہیں کسے اصلِ مساوات ذرا دیکھ
اے جانِ تمنا یہ ملاقات ذرا دیکھ

⑤

کرنے لگے ہیں چاند بھی ہیروں کی نمائش
کل ہوگی اسی چاند پر انسان کی رہائش
جانباز بتا دے کہ ہے یہ کس کی نوازش
ہم اب بھی ہیں کیوں مختلف الذّات ذرا دیکھ
اے جانِ تمنا یہ ملاقات ذرا دیکھ

تنہا انصاری

غزل

اے یار طرحدار! غنیمت ہے ملاقات
یہ رات ملن کی نہ کہیں آخری ہو رات

لکنت تری نظروں سے ہوئی میری زباں میں
میں بھول گیا اپنی وہ دیرینہ شکایات

مضراب نے تاروں کو چھوا جھوم اُٹھے ساز
یہ بھی تو نہیں تیری نگاہوں کی کرامات

حالات کی پُرسش کا تشکّر! مگر اے دوست
اک راہ پہ ہرگز نہیں رہتے کبھی حالات

صدقے ترے قدموں کے! ہے معلوم تجھے سب
سرمایہ مرا کچھ نہیں جُز فکر و محاکات

دل جس کو دیا تو نے دیے زخم اُسی نے
تنہا ہے تیری جیت! مگر کھوئی ہے اوقات

○

دینا ناتھ نادم

بہار و خزاں

اُٹھ کوئل اپنی کوکو سے اب ہر قمری کو مَنانا ہے
گلشن میں بادِ بہار آئی، گل ریحاں کو بھی جگانا ہے

ملتے ہیں گلے نورو ظلمت، اور شبنم ڈالی بھرنے لگی
لگتا ہے کہ اوٹ میں بادل کی، ہے زُلفِ برق سنورنے لگی

ہے ریشمی زُلفوں میں خوشبو، سونے کا لباس اور چاندی کا تَن
کس جوش سے 'نورے' آیا ہے، پوشاک نئی، پھولوں کی پھبن

پازیب کو باندھے پاؤں میں، رقصاں ہیں پہاڑوں کے جھرنے
اُترے ہیں سحر کو چٹانوں سے، مستی کا وہ نظارہ کرنے

نرگس کا ہے سرخم، شبنم کو، بکھرایا صبا کی موجوں نے
جیسے کہ دُلھن میکے کی خبر، سُسرال میں سُن کر رونے لگے

اِترائی ادا سے شاخِ گُل، ہیں چوڑیاں اُس کی کلائی میں
وہ سب کو دِکھاتی جاتی ہے، بتلی کو اُٹھا کر گودی میں

آرول[1] کا جامہ کیسری ہے، اور کھیت میں سرسوں کے لالہ
اور نالۂ سِندھ پہ مَسوَل [2] نے، لالہ کو ہنس کے ہنسا ڈالا

یہ عالمِ فطرت، موسمِ گُل، پیغام تو اَمن کا لایا ہے
افسوس کہ انساں نام اپنا، مٹی میں ملانے آیا ہے

مزدوروں کی روشنی اہلِ زر، دامن میں چُرا کر لیتا ہے

---

1 ایک زرد پھول 2 ایک پودا

پھر لحمِ بشر کی قیمت بھی، بازار میں جاکر لیتا ہے
غلّہ تو ہمارے خوں کے عِوض، بیچا ہے غلّہ داروں نے
پھر پاک مزاروں پر منّت، مانی ہے اِنہی ہتیاروں نے
پھر ہم کو فرنگی بازیگر، دولت میں پھنسانے آئے ہیں
سونے کی چمکتی ہتھکڑیاں، پھر ہم کو پنھانے آئے ہیں
آؤ کہ تلاطم ہم لائیں، مظلوموں کو ہم اب اُکسائیں
قدرت بھی ہلے، ٹکڑے ہو جہاں، کچھ بجلیاں ایسی چمکائیں
جمہوری بہارِ نَو آکر، دیتی ہے چمن کو نیا ساماں
نادم تو لیے ہے آتشِ دِل، کردے گا صداقت کو وہ عیاں

○

سانیٹ

مرے دِل میں تمھارے ساز تینوں اب بھی بجتے ہیں
نظر بھیگی ہوئی، میٹھی صدا اور شیریں گفتاری
محبت کا کٹھن رستہ سہانا بن گیا میرا
بڑھا ریشم کے دھاگے کی طرح سُرعت سے یہ آگے
مکاں کی اوپری چھت، مسکراتی دھوپ سی آئی
خزاں کے ہوگئے بڑھتے قدم خود ہی بہت پیچھے
تمھاری آہ سُن کر چونک اٹھا دِل، جھوم کر اُچھلا
یہی کچھ دھوپ کے ریزے! ہماری کائناتِ کُل
نہیں تو میں بھی اِک بوسیدہ سا حرفِ تمنا ہوں
سمجھ لو! بربطِ خاموش سے اُبھرا ہوا نغمہ
تھکاوٹ سے شبابِ زندگی اب چور ہے میرا
ہوا ہے مانند رنگِ شوخ تصویرِ جوانی کا
تھکن سے چور ہوں لیکن ابھی کچھ دِل میں باقی ہے
تمھارے نور کا پرتو ہے ست رنگی دھنک میں بھی

○

غلام نبی فراق

غزل

میں کیسی شکل بناؤں ذرا کریں ارشاد
خوشی کی دھوپ کہ غم کی گھٹا کریں ارشاد

بہار کی یہ ہوا زہر ہے رگ و پے میں
اشارہ میں نے کسی کو دیا کریں ارشاد

نہیں ہے روشنی، تارے تو ہیں اندھیروں میں
جلا کے خود کو بناؤں دیا کریں ارشاد

وہ شک نہ بیچ میں آئے ملا نہ پائیں نظر
پیالہ زہر سے بھر ہی گیا کریں ارشاد

کہاں پہ لفظ رکھوں کون سا، لکھوں کیا کیا
قلم بھی آپ ہی پر ہو فدا، کریں ارشاد

نہ بادباں ہیں نہ چپو، غصیلے مدوجزر
ہوا کے جھونکوں کو میں دوں صدا؟ کریں ارشاد

غزل تو بن گئی، اس کا پسند ہے آہنگ؟
فراق کا ہو یہی رنگ کیا کریں ارشاد

○

امین کامل

ہائے نامہ

یہ تو ہماری خوبیٔ قسمت ہے ہائے ہائے
ان پربتوں کی گود میں جنت ہے ہائے ہائے

یاں اہلِ غیر کی ہے سیاست کا کام کیا
اے یار یہ تو جے کے ریاست ہے ہائے ہائے

اِکّے کو دُکّی کھا گئی، دُکّی کو بادشاہ
جمہوریت کی اپنی روایت ہے ہائے ہائے

احباب محوِ گریہ ہیں اے یوسفِ جواں
کیا تیری خوب شان ہے عزت ہے ہائے ہائے

الحاق کے سوال پر چمکی دُکانیں ہیں
کیا برکتوں بھری یہ تجارت ہے ہائے ہائے

کُرسی سے جو گرا وہ لیے تھا ہمارا غم
اب اس پہ بیٹھا صاحبِ شفقت ہے ہائے ہائے

جو آختہ ہے مرغ، بہت ہے بلند بانگ
قابل جو ہے وہ نذرِ ملامت ہے ہائے ہائے

کچھ لوگوں کے سرہانے پہ سرمائے کے ہیں ڈھیر
گویا یہ فضلِ رب کی کرامت ہے ہائے ہائے

سَو چُوہے کھا کے بلّی سبکدوش ہوگئی
کیا خوب وہ مُریدِ طریقت ہے ہائے ہائے

یہ محکمہ اور اس کا سبھی جل گیا ریکارڈ
منصف کہیں عمل کی یہ شامت ہے ہائے ہائے

حاتم بنے ہوئے ہیں جو دانشورانِ قوم
اُن کی عطا میں حیلہ و حجت ہے ہائے ہائے

ہو کچھ بھی شہر میں، یہ بیاں پر بیان دیں
یوں پائی ہیجڑوں نے بھی شہرت ہے ہائے ہائے

اِبہام، آسمانِ ادب پر ہے خیمہ زن
یہ داخلیت از رہِ ظلمت ہے ہائے ہائے

شہرہ ہمارا عام ہے دنیا میں ہر طرف
بے لوث کیسی اپنی محبت ہے ہائے ہائے

تم لاٹھ صاحب اپنی جگہ، ہم نہ مانیں گے
اردو میں ہم کو چڑھتی شرارت ہے ہائے ہائے

O

امین کامل

غزل

کوئی نبی نہ پیمبر ہماری بستی میں
کہ شر ہی شر ہے سراسر ہماری بستی میں

قدم قدم پہ ہیں منڈلاتے اجنبی سائے
کسی نے دیکھا نہ پیکر ہماری بستی میں

یہ اندھی گلیاں یہ گنجان شہرِ پُر اسرار
جو آیا، ... گیا کھو کر ہماری بستی میں

سبھی ہیں فتویٰ لیے دَربدر یہ کیا جانیں
ہے کون کس کا مقدر ہماری بستی میں

یہ ڈھیر لاشوں کے، کھانے کو کوئی چیل نہیں
ہے پیاسا خوں کا سمندر ہماری بستی میں

کِھلا سکا نہ چٹانوں میں یاں گلاب کوئی
نہ آئے کوئی سکندر ہماری بستی میں

یہاں پہ خواب میں بھی لے نہ کوئی انگڑائی
ہے بند عشق کا دفتر ہماری بستی میں

O

رحمن راہی

دس سال بعد

بے خیالی میں اِسی گھاٹ پہ میں پہنچا ہوں
دس برس قبل بھی اتنی ہی تھی گہری یہ ندی
چہچاہٹ بھی چناروں پہ یونہی ہوتی تھی
جیسے خاموش کسی جھیل میں مچھلی اُچھلے
جیسے کیکر کے شگوفوں کی ہوا
تلخیٔ بادۂ کہنہ کے ساتھ
آسماں، جیسے کوئی چشمہ کسی جنگل کا
چاند اک جل پری جیسے کوئی

بے خیالی میں اسی گھاٹ پہ پہنچا ہوں میں
دِلِ آوارہ نے پایا یہ سراغ اور نظر ساتھ رہی

یاد ہے، وہ اِسی برآمدے سے
اُتری تھی اک روز جوانی پہنے
ہاں اسی کوچے سے وہ نکلی تھی
مہندی رچے ہاتھوں سے مٹکی بھی تھی ٹھونکی اُس نے
ہاں یہی خطۂ سبزہ تھا، جسے
خنکیٔ جاں پھول سے قدموں نے عنایت کی تھی

ہاں یہی زینہ تھا وہ
جس نے قدم گنتے ہوئے کی تھی قدمبوسی بھی
ہاں یہیں اور اِسی پنگھٹ پر
پانی بھرتے ہوئے پہچانا تھا اُس نے مجھ کو
بس یہی وقت، یہیں وعدے ہوئے، خواب بُنے

دس برس بیت گئے، جھومتا آیا یہ وقت
دس برس ہو گئے اور اب بھی ندی گہری ہے پہلے جیسی
دس برس ہو گئے اور اُب بھی چنار

دس برس ہو گئے اور اس کو نہیں یاد آیا
وعدہ بچپن کا نبھاتے ہوئے آجاتی حسیں پنگھٹ پر
قبر پر میں اُسے دیتا بھی صدا
پر وہ کہاں سُن پاتی
قبر میں چلتی نہیں ہے کبھی کیکر کے شگوفوں کی ہَوا
اب کہن سال ہوا سنگِ مزار
پھول سوسن کے نئے کھلتے ہیں

○

رحمن راہی

غزل

سامنے جو لائے آئینہ کوئی کیا کیجیے
جب نہ سوُجھے کچھ سوائے خودکشی کیا کیجیے

خوں لبوں سے پونچھ لے اپنے ذرا سا مسکرا
زد اگر تشکیک کی تجھ پر پڑی کیا کیجیے

دوستوں کی زہر ناکی دیکھ کے بیزار ہو؟
ایسے میں ان دشمنوں سے دوستی کیا کیجیے

آئینہ خانے میں در آیا کوئی آسیب ہے
عکسِ نامحسوس سے اُبھرے ہنسی کیا کیجیے

شہر بھر میں دھوم ہے تیری ارے مستِ شباب
جب لہو کی آگ ہو اندر لگی کیا کیجیے

اب تو ہم بزم طرب کو چھوڑ کر آئے میاں
جب میسر ہو نہ کوئے یار بھی کیا کیجیے

چلچلاتی دھوپ میں بے نام سا سوکھا شجر
لکھ نہ دے تیرے بدن پر بے بسی کیا کیجیے

آ برہنہ رقص کر لیں ڈوب کے پاتال میں
ورنہ کہلائیں گے گھر میں اجنبی کیا کیجیے

○

شمبو ناتھ بھٹ حلیم

چلچلاتی دھوپ

سورج جاگا کھولی آنکھیں
اُک انگڑائی لی، منہ دھو کے نکلا
گھوڑے پہ بیٹھا کرنیں اک دم پھوٹ پڑیں
تارہ منڈل تکتا رہا
ساتوں گھوڑے سر پھیرے، منہ موڑے
کھچی تھی شاید سخت لگام
یا غلطی سے چابک مارا تھا
پلک جھپکتے جلا الاو
تھی شش جہات میں آگ ہی آگ
جس میں کہرا پھیلا، چھپ گئے بادل

مچی ہوا میں بھگدڑ، جلا سراپا
سبزہ تمازت میں سوکھا اور مرجھا کے گرا
جانوروں کو جیبیں سوکھیں، کانٹا بنیں
بھون لی مٹی توے میں بھڑ بھونجے نے
پتھر چکنا چور ہوئے اور سلیں ہوئیں سب چاک
ریت نے جوش میں آکر اُڑنے کی تیاری کی
پھول گئی اک اک سانس اُبل کر

نمی نہ جانے کس جانب سے بھاگی
سوکھے دریا، گھاٹیاں بھی سب سوکھ گئیں
دھرتی کے ماتھے پہ شگوفوں کے انبار لگے
شب بھر میں دلہن بوڑھی ہوئی
کھلیانوں کھیتوں کے دل چھلنی ہوئے
دہقانوں اور کسانوں کی آنکھیں جھپکنا بھول گئیں
جس کی کھلی آنکھیں ہیں اس نے ہی محسوس کیا اس آگ کو

کس کی مجال جو پوچھے سورج سے
اتنے خفا کیوں ہو یہ سزا کس جرم کی ہے
اکثر لوگوں کے ہاتھ اٹھے اور مانگی دعا
بارِ الٰہا بخش بھی دے
اور چھوڑ یہ غصہ
بارش کی جھڑی لا، رحم ہمارے اوپر کر
اب ٹھنڈک کی صورت کر، غصہ چھوڑ کے بارش دے

O

واسدیو ریہہ

اگر انسان نہ ہوتا

چیخ میری، میرے عالم میں جو پھیلی
یہ بہت اچھا ہوا
ورنہ ہوتا اک بیاباں میرا عالم
تیری قسمیں کون کھاتا
جانتا بھی کون؟
اوران الفاظ کی قیمت سُناتا رہتا مجھ کو بار بار
میری اس دھرتی پہ ہوتی راکھ بس
اِس طرف جلتا بدن گرمی میں اور ہوتی ادھر یخ بستگی
بَن بہت ہوتے تو بن مانس بھی لاتعداد ہوتے
بس اسی انداز سے ہر چیز بھی ویران ہوتی

شبنم اور برساتی جھرنے، بہتے نالے اور چمن
چہچہاہٹ، سبزۂ فصلِ بہاراں، پھول قبرستاں کے
کھو بھی دیتے اپنا ہونا یا نہ ہونا
پھر کوئی افسانہ بنتا اور نہ ہوتا کوئی عنواں
کون پھر مشاطگی کرتا کہ جھڑ جھڑ جاتے جب دستِ حنائی
دیکھتا پھر کون جو ہی کو شراون کی
کون اس سے حظ اُٹھاتا

آگ میں پروانے کے جلنے پہ گاتا گیت کون
جوش میں آتا نہ کوئی ورنہ شرمندہ ہی ہوتا
تذکرہ داغِ گُلِ لالہ کا
آسمانوں پر مرے ہونے سے ہے
میں نے ہی طفلانہ باتیں سب بڑھا کر پیش کیں
میں نے ہی سارے خیالوں کو کیا ہے بے نقاب
اور پھر یہ بھی کہا ہے میں نے

ٹھنڈک آگ سے ہے ہمکنار
گر نہ ہوتا میں تو سب ہوتے پریشاں
جو محبت اور توقع کا متاع و مال میں نے مانگا ہے
اہلِ زر ایسا نہ ہو دکھلائیں مجھ کو سبز باغ
اور بکھراؤ میں مجھ کو ڈال دیں
پھر کہیں ایسا نہ ہو کھو جائے میرے ساتھ ہی نام ونسب
کیا پتہ ہے
میری ہی مانند اسی انداز سے سب سوچتے ہیں
گلستانِ عشق میں دیوارِ غیرت کو بنا کر
مل گئی شبنم بھروسے کی
کہ جس نے فرحت و خنکی عطا کی
کھِل گئے غنچے اُمیدوں کے
کمر بستہ چمن بندی کی خاطر آ گئی ہمت
کہا جاسکتا ہے یوں بھی

یہ سب کچھ رائگاں جاتا اگر انساں نہ ہوتا
لگا کر داؤ پر جس نے بچایا سارا عالم
وہی انساں کہ پیشِ کائنات اب آج منکر ہے
وہ کوہِ قاف کو کر کے تہ و بالا
شکارِ حرص ہے گویا
اگر ہوتا نہ ایسا وہ تو یہ ایمان پر احسان ہوتا
چیخ میری میرے عالم میں ہے پھیلی
یہ بہت اچھا ہوا
ورنہ ہوتا اِک بیاباں میرا عالم
خنک سنسار کو گر ریہہ نہ گرماتا
محبت کی وتستا منجمد ہوتی
مرا من گویا اک شمشان ہوتا

○

محی الدین نواز

چہار مصرع

❶

عشق راہ شوق میں جب عقل کا رہبر بنے
شکلِ آدم مان لو پھر سرسری ہوکر رہے
ذوق کی آغوش میں جب آنکھ کھولے شوق پھر
ملکِ دِل کی حکمرانی عقل کو کیسے ملے

❷

ذائقہ ہوسکتا ہے الفاظ میں ظاہر کہاں
جس نے چکھا ذائقہ کرسکتا ہے وہ کچھ بیاں
کوئی پوچھے ذائقہ کیسا لگا، وہ کیا کہے
ذائقہ بِن چکھے بتلاتی نہیں کوئی زباں

❸

علم کی منّت سے سوزِ ذہن پیدا ہوگیا
عشق نے چپکے سے میرے کان میں آکر کہا
جاگزیں دِل میں تمہارے ہو اگر نورِ شعور
تب نظارہ کرسکو گے قدرتِ معبود کا

4

داغِ سجدہ جو تھے ماتھے پہ، نمازوں نے کہا
جھاڑ دے گرد کہ بِن جھاڑے نہیں ہے اچھا
عشق نے دل کو دیئے داغ یہ دیکھا کس نے
خندہ زن حُسن ہوا، راز ہوا سب اِفشا

○

اُرجن دیو مجبور

میں اگر کوئی پرندہ ہوتا

اک پرندہ آ کے منڈلاتا ہے میرے آس پاس
چہچہا کر گرم موسم میں ذرا ٹھنڈک سی دی
شب بھر اسکی چہچہاہٹ
میرے وجودِ سوختہ کو
جیسے بارش میں بھگوئی ہے
میٹھی لے، کچھ مختلف ماحول
جیسے حبسِ دم ہو جان لیوا
کتنا جھیلے گی یہ گھبرائی ہوئی سی زندگی
اک پریشاں حال قیدی کی طرح
کھولا اِک دفتر مگر خاموش لب
کاش میں بھی اِک پرندہ ہوتا تو
مست اپنی دھن میں اڑتا

اور بازار مصائب چھوڑ کر
چھپ کر نکلتا ایک دم
آسمانوں میں پرِ پرواز اپنے آزما کر
پھر کسی چوٹی پہ بے خوفی میں لیتا سانس راحت کی
اور کسی چشمے کا پانی پی کے بیحد خوبصورت وادیوں میں
خوف سڑکوں کا، خموشی دیکھ کر
پھر کسی پہاڑی سے اڑ کر دوسری چوٹی پہ

اپنے ہی مکاں کی چھت کے کونے پر ٹھہرتا اک گھڑی
عمر بھر جس نے سفر جاری رکھا
اور مل نہ پایا جس کو منزل کا سراغ
اس کے لیے یہ زندگی کے میٹھے خواب
گھر مکاں یا آرزوؤں کے سراب
راحتیں کچھ ساعتوں کی ویسی ہیں
جیسے کسی برسات کا ہو انتظار
جو کبھی پورا نہیں ہوتا ہے
جسکی تشنگی ہے برقرار

اے مری ندی
ترا پانی مرے ہاتھوں سے چھینا کس نے ہے
اے مرے سرو رواں
مت رو،......تو رہنا سر بلند
میری کھڑکی ہے کھلی
بے گھونسلہ ہے یہ ابابیل
جو جھانکتی ہے
ساگ کے اس کھیت میں پھیلی بہت ہے بچھو بوٹی دور تک
صحن کے اس گھاس کا اک ایک تنکا نوحہ خواں
گھر کے دروازے مکینوں کو ترستے ہیں
فضا سنسان ہے
جانور بھی دم بخود ہیں
اس رسوئی گھر کے اندر کی یہ دلکش گفتگو
"کون سی سبزی پکائی ہے بتا"

غلام نبی خیال

تخلیق

کیوں در آئی ہے وہ نخلستاں میں
کہ یہاں سانپ بھی ہیں اژدر بھی
شاخ در شاخ ہی لپٹے لپٹے
خنکی و فرحت لے کر
اپنا گھر سانپ نے دریافت کیا
آدم اُس وقت بہت گھبرایا
یہ ہے ماں حوا جو بالوں کو ہے بکھرائے ہوئے
اور پھر جوش محبت میں ہے دِل کھولے ہوئے

اور جب
ایک دوشیزہ کو نخلستاں میں
سانپ نے لپٹا لیا لب بوسی کی
تب عجب بات ہوئی
گاؤں میں سناٹا ہوا، بُجھ سا گیا
جس نے بھی دیکھا وہ تھرّا اُٹھا

آدم اَب سوچتا ہے
انجمن تھا میں اکیلا ہی مگر
بے مطلب

شوق نے بہکایا مجھے
اور پندارِ ہوس نے مجھے بیدار کیا
حرص نے بے راہ کیا
چار سُو سانپ کی پھنکار ہے نخلستاں میں
کیوں در آئی ہے وہ نخلستاں میں
کہیں چھاتی پہ نہ ڈس لے کوئی سانپ
آ جا اب پاس مرے
تو ہی وہ حوا ہے
میں ہی وہ آدم ہوں
آ جا تو آج کی شام
سرزمیں چشموں کی ہے
آ کہ دو جسموں کے مل جانے سے ہم
اک نئی تخلیق کریں

○

فارق بڈگامی

یا حسینؓ

پیغام ترا ہم نے سنایا نہ جہاں کو
کیوں خون بہا تیرا بتایا نہ جہاں کو

آتا ہے مصائب کا ترے ذکر پئے رسم
انجام مگر ان کا دکھایا نہ جہاں کو

اک عمر رہے خون کے اشکوں سے شرابور
سیکھا نہ مگر کچھ بھی سکھایا نہ جہاں کو

سر جھکنے میں ہے موت تو سر دینے میں ہے زیست
یہ نکتہ کبھی ہم نے سمجھایا نہ جہاں کو

پھر سے ہے لگا پہرہ حسد کا سرِ دریا
شر زندہ تو گم خیر، جگایا نہ جہاں کو

مقصد تھا بڑا ہم نے تو بیوپار بنایا
خود بھول گئے، یاد دلایا نہ جہاں کو

فارق نہ بنا پائے ہم اشکوں کا کوئی ہار
اک قطرہ لہو کا بھی دکھایا نہ جہاں کو

غلام رسول سنتوش

خالق اور تخلیق

ہو گیا ہے پیلا پت جھڑ
سخت سردی کے مہینے پوس کے پتے بھی اب چھپنے لگے
خواہشوں کی عُمر بھی ڈھلنے لگی کُہرے کے نیچے
تخیُّل کے مَعانی ختم، نکتہ آفرینی ہو سکی کب
اور باغوں کے شگوفے جھڑ گئے
وہ کب ہوئے ہیں بارور
مُرادوں کی ہو لمبی عُمر،
کچھ ایسی دعائیں مانگنا اور یوں ہی دِل رکھنا
سَحر اُس کے لیے کِھل اُٹھی ہے جو ہے سَحر خیز
بجھے بے نور تاروں تک بھلا کس کی نظر پہنچی
مَلا ہے کب کوئی غازہ کسی مشاطہ نے اپنے ہی منھ پر
بہار آئی
روانہ ہو گئی رنگیں گُلوں کا رنگ اُڑا کر

خیالوں کے مَعانی ہو گئے حاصل مگر خود کھو گئے وہ
دل آیا تو مگر ہمراہ لے کر دھڑکنوں کو
پیا سُقراط نے اپنے ہی ہاتھوں زہرِ قاتل
حد سے عاری (یعنی) لاحد
کسی حد کی بھی حد کیا ہے مقرّر؟

منظور ہاشمی

غزل

کھینچتے ہیں سبھی اس خیمہ سرا کی دیوار
کب گراتا ہے کوئی اپنی انا کی دیوار

درمیاں کوئی تکلف ہی نہ تھا بچپن میں
چڑھتے جوبن پہ اُٹھی جیسے حیا کی دیوار

گھر میں محفوظ تھے جو بھید وہ باہر آئے
لوگ کیوں چُنتے ہیں آنگن میں ہوا کی دیوار

اس کے سائے میں گھڑی بھر بھی کبھی مت رُکنا
ہلتی رہتی ہے سدا کرب و بلا کی دیوار

عیب گوئی سے بہت بچ کے رہا کرتا ہوں
پھر بھی رکھتی ہے خبر صوت و صدا کی دیوار

پائے پشتے کہ درو بام خمیدہ خستہ
میری دنیا ہے کھڑی زد پہ فنا کی دیوار

غم چشیدہ ہے بہت سامنے لانے والی
دھوپ تڑکے کی مہک موج صبا کی دیوار

جس قدر آدمی طوفان گوارا کر لے
گر ہی جاتی ہے کسی روز یہ خاکی دیوار

○

نشاط انصاری

صد مبارک! کھل کے تم نے پالیا حُسن و شباب
خوبیِ قسمت تمھاری ہے کہ آئیں تم ادھر
تم نہ ہوتیں، دقت اتنا تیز پھر کیوں دوڑتا
اب جو آئی ہو، تمھارے پاس رُک سکتا نہیں
زندگانی ہے تمھاری صبح سے بس شام تک
عُمر کی ہے دوپہر، دِل میں تمھارے آگ ہے
ہے جوانی پورے جوبن پر، لہو میں جوش ہے
یاد رکھنا وقت مٹھی میں تمھاری قید ہے
چاندنی شب، یا تمھارے تن سے ہے لپٹی ہوئی
یا تراشا ہے کسی فنکار نے تاروں کو یوں
نور کی مشعل سرِ رہ رُک گئی جنت میں ہے
یا لیے آغوش میں ہے ساعتِ مسعود اُسے

گنگناہٹ میں جو بھنوروں کو تمھاری ہے تلاش
پھر کوئی رنگین خواہش بس تمھیں تکتی رہے
یوں دلِ نازک کرو ہرگز نہ اب ناشاد تم
آتشِ دِل کو ذرا اُکساؤ سب کچھ بھول کر
کرلو گردوپیش کے ماحول کو سرشار تم
مان لو! ہے ایک روز و شب تمھاری زندگی
عمر بس اِک صبح تازہ دم ہے اور اک شام ہے

○

نشاط انصاری

غزل

چونچ میں سورج دبائے بُلبل آئی اور اُسے اُس نے پہاڑی چوٹیوں پر رکھ دیا
میرے گھر کی کھڑکی وا تھی پھر بھی رُخ اُس نے اُدھر ہی کر لیا

سُن ری بُلبل، دھوپ کے کچھ ٹکڑے مجھ کو دے کہ دل کی تیرگی ہو جائے دور
آہ اِس بے چارے دل نے روشنی صبحوں کی دیکھی ہی نہیں اک عُمر سے

شام ہوتے ہی دِیا ڈیوٹ پہ اِک مفلس کی مانند کچھ بُجھا سا رہتا ہے
گھور اندھیروں کی مٹا دیتا مگر اُس نے کبھی جلنا تو سیکھا ہی نہیں

بُلبلوں کے، قُمریوں کے فاختاؤں اور طوطوں کے نشیمن کس نے لوٹے
دیکھ کر حال اپنے پیارے بیٹوں کا ماں للّ بہت ہی رو رہی ہے

ماں! چناروں کی گھنیری چھاؤں میں تو مجھ سے منہ پھیرے ہوئے بیٹھی ہے کیوں
ماں! تو کیا اِس چلچلاتی اور کڑکتی دھوپ میں اب تپتے رہنا ہے یہیں پر

اے نشاط اِس شہر کے سب راستے پیچیدہ اور کچھ اِس طرح اُلجھے ہوئے ہیں
عمر ساری گزری گھر کو ڈھونڈھنے میں پھر بھی میں پہنچا نہیں ہوں

○

حامدی کاشمیری

غزل

سوتا تھا کبھی جا کے سر شہر خموشاں
جاگے سے جگاتا تھا کبھی برف نیستاں

معلوم کسے شہر پہ کیا گذری تھی باہر
اترا تھا سر شام کواڑوں پہ زمستاں

پریوں کے کبھی گیت پسِ سنگ سنے ہیں
کہتے ہیں یہیں پیڑوں کے نیچے تھے پرستاں

صحرا کی طرح ہونٹ تھے آنکھوں میں شرارے
پینے پہ وہ آتا تو سمندر تھے پریشاں

آتا تو ٹھہرتا تھا وہیں چاند فلک پر
چلتا تھا تو پھر ساتھ ہی چلتا تھا گلستاں

سایوں میں کبھی خود کو لپیٹے ہوئے رہتا
کرتا وہ کبھی ایک کرن کے لیے ارماں

○

رشید نازکی

غزل

دیکھی آنکھوں کی برسات
چرخ کے تارے لائی رات

شکلیں، رخنے اور دیوار
روز ہیں یہ شب کے حالات

آگ سمندر یہ بازار
بھیڑ کے سیمابی عادات

پھول میں خوشبو کے انبار
قطرۂ شبنم میں عرصات

آگ کی شورش یا موسیقی
دل کب بدلے معمولات

صبح کی جوئے شیر قریب
ششدر ہوگئی بیچ میں رات

آنکھ کھلی تو مست تھے خواب
در در بھٹکے خالی ہاتھ

سورج نیچے اترے گا
دیکھیں کیا ہوں گے حالات

○

ناجی منور

فراموشی

مجھے جب بھیجا گیا دنیا کی حکمرانی کے لیے
بیسویں صدی میرے لیے
سامانِ عشرت لیے آن پہنچی تھی
سواری کے لیے گھوڑا اور سیر کے لیے ناؤ تیار تھی
کانوں میں نغموں کی گونج، آنکھوں میں طراوت
ماں کی لوریاں ہر شام تھپکیاں دے دے کر سُلاتیں
اور صُبح سویرے کمرے کی چھت پر ابابیلوں کی چہچہاہٹ
نیند سے جگاتی
پھر رفتہ رفتہ
انیسویں صدی نے پر سمیٹ لیے
ہائے مجبوری،
اکیسویں صدی پر راج کرنے والوں کو معصوم کہہ کر پکارنا پڑتا ہے
مُنّے! میرے بچپن کی بات ہے،
ابابیل ایک کالی پکھشی ہوا کرتی تھی

جو ہمارے سونے کے کمرے میں چھت پر گھونسلا بُنتی
اور اپنے دِلنشیں گیتوں سے ہمارا دِل برماتی تھی

رہی ماں؟

مُنّے جا

ماں لفظ کے معنی گریرسن کے لُغت میں تلاش کر

میں یہ لفظ خود بھی فراموش کر بیٹھا ہوں

O

غلام نبی ناظر

غزل

مجھے خاموش قصہ آج کرنا ہے رقم لوگو
روانہ سُوئے گردوں دیکھئے حرفِ قلم لوگو

کُشادہ دامنی افلاک کی یا بے کراں صحرا
کہواب گاؤں میں کیا بانٹ لیں گے آ کے ہم لوگو

اِدھر سے کارواں در کارواں یوسُف لیے گزرے
ابھی قائم ہیں سنگِ میل پر نقش قدم لوگو

یہاں خوشبو ہے زندانی وہاں پر پھول صد پارہ
بہار اُٹھی ہے دامن جھاڑ کر مثلِ صنم لوگو

یہ کِس طوفان میں پت جھڑ یکا یک ہوگیا پیدا
پلے ہے پُرسکوں انداز میں درد و الم لوگو

فضا بے چین سی اور آسماں ہلچل مچائے ہے
ہے دل میں اب مچلتی چاندنی کا زیر و بم لوگو

دہکتی آگ کی بھٹّی میں گُل آخر کِھلاتا ہے
کیا کرتا ہے سامانِ سُخن ناظر بہم لوگو

○

غلام نبی گوہر

غزل

وصلِ یوسف ہے تو پابندِ سلاسِل جیسے
ہجرِ یوسف ہے تو کنعان ہُوا دِل جیسے

لاکھ پردوں میں چھپائے نہ چھپی بنتی ہے
تیری اِک اِک اَدا قرآن شمائل جیسے

آگ دِل کی نہ بُجھی، لاکھ بہائے آنسو
سرحدِ شمعِ سحر ایک کفِ گلِ جیسے

ساز و آواز نے الفاظ کے معنی بدلے
یعنی اِک ہاری ہوئی فوج کا حاصِل جیسے

اِک فراموش شُدہ نغمۂ داوٗدی سا
اب ہوا جاتا ہوں بس قصۂ محفل جیسے

میں ہوں نزدیک مگر دُور کھنچا جاتا ہوں
بیچ میں آکے مقدّر ہوا حائل جیسے

شاعری تو نہیں باتوں میں ہے اُلجھا گوہر
بند پنچھی کوئی گُفتار پہ مائل جیسے

○

مظفر عازِم

رَقاصہ

بدلتی رُت کی طرح
ناز دِکھلاتی
جام بھر کر
مجھے پلایا
پی کر میں نے ساغر توڑا

رقاصہ
من موجی معصوم کو کُچلا
سجی سجائی پالکیوں اور گُڑیا جیسی ماہ وَشوں کی راہ میں، میں نے
اپنی چاندسی آنکھیں بچھائیں
جب وہ آئی
جیسے اماوس لے کر آئی

میں ننھی سی تتلی بھاگی اور وہ میرے پیچھے دوڑی
چکنی سِل پر پاؤں دھرا اور گری میں
سطحِ آب پہ مجھ کو نہاتے دیکھا،/
اور میرے ہر ناز و ادا کو غور سے تاکا

مجھ کو ڈرانے کے لیے
کشتی کے فرش میں چھید کیا

رقاصہ
بدلتی رُت کی طرح
سوسن پر رنگ برنگی تتلیوں کے مانند دکھائی دی
مُنہ پھُلائے، ماتھے پہ بل ڈالے
نفرت کی گتی سے اپنی کایا کو حرکت دی
جیسے ڈائن بپھر گئی
آنکھوں کے پپوٹے لہو کے چراغوں کی طرح چمک اُٹھے

کرودھ اور غصے سے پنکھ نشٹ کر دئے
رنگ مٹا کر، نفرت سے خون کو منجمد کر کے
ترنگ میں آ کر پھُنکاری جیسے اک پرانی قبر کا دہانہ
میں نے دیکھا
صحرا میں اُس نے پہچانا
اور اس میں ادھ مُوا بھنورا گاڑ دیا

○

مُظفر عازم

غزل

اِک چھبیلی شب پری جیسا اثر کرتی ہوئی
دِید سے اندر ہی اندر شُعلہ وَر کرتی ہوئی

دِن ڈھلے دامن بھرا جائے سِتاروں سے مرا
اور پلکیں دفن آنکھوں کے گھر کرتی ہوئی

اے خُدا قدرت بھی تو ٹھہری بہانہ جو تری
تیری بخشش جُرم سے صَرفِ نظر کرتی ہوئی

چھوٹ جائے دِل خمِ گیسو سے جب آنکھیں مری
ہوں حدُودِ عشق کی جانب سفر کرتی ہوئی

یہ ہوس، پیدا ہے جس سے زینۂ گردوں پذیر
یہ ہوس شمشیر ہے، قتلِ دِگر کرتی ہوئی

میرے نا آسودۂ دوزخ جنوں کو چاہیے حشر سے
بڑھ کر سزا، زیروزبر کرتی ہوئی

دیکھیے صاحب، مری طِفلی ہے تیری مے نہیں
جو رُکے تسلیم اِک زنجیر دَر کرتی ہوئی

روکیے مُطرِب کو مت عازم ذرا دِل سے سُنیں
اپنی غزلیں رقص اُس کی تان پر کرتی ہوئی

○

موتی لال ساقی

محل

اِس سارے محل میں اوپر سے نیچے تک چُوہے دوڑ رہے ہیں
اسے کھوکھلا کرتے کرتے اُن کی عمر بیت گئی
اس کی دیواروں پر سے کہگل اُتر رہی ہے
چھت بس گرا ہی چاہتی ہے
پاس سے ہر گزرنے والے نے
اس کا سنگِ بُنیاد ہلا دیا
شہتیر خستہ ہو چکے ہیں، کڑیوں میں رَخنے پڑے ہیں
کھڑکیوں پہ جالے تن گئے ہیں
چولیں ہِل گئی ہیں
کولے پھوٹے ہیں طاق ٹوٹے ہیں
دیکھنے والے حیرت سے حواس باختہ
یہ عمارت کیسے اب تک کھڑی ہے، کوئی سوچ نہ سکا،

اس مکان میں نیولے پنپنے لگے ہیں
اچانک مکینوں کی آنکھیں کھرچ لیتے ہیں
ایک ہی زخم سے مکان لہولہان ہوجاتا ہے
جن سے ہوسکا، مکان چھوڑ چھاڑ کر چلے گئے

بہت سے پہاڑوں کی راہوں میں زمانے کے ہتھے چڑھ گئے
بے گھر ہو کر انھوں نے اپنی بس حفظِ جان کی فکر کر لی
پھر اُن کو یاد ہی نہیں رہا کہ ہم کیا تھے اور کیا ہوئے

○

عبدالرّحمن آزاد

یخ بستگی

آسمان کے خوفناک تیور
جھنجھلائی ہوئی برفیلی ہوا
سُن پڑی زمین
عُریان پیڑ پودے
دبے وقت کا پت جھڑ
جیسے ہلکی سی دھوپ نکل آئی
چتلا گئی ساری فضا
آج مگر!
وقت کا رنگ اُڑ گیا اور خواب ایک دوسرے میں خود بخود گڈ مڈ ہو گئے
چارسُو لہرائے پرچم امن کے
ہو گئے آباد پریوں کے محل
کیا سی پھولوں کا فرش بچھ گیا یہاں

پھول کھلے کچھ الگ ڈھب سے نئے شملے باندھ لیے فلک بوس پہاڑوں نے
شیرِ ببر جیسا دلیر اور لو دیتا ہوا موسم کڑکڑاتی ہوا سے لرز اُٹھا

پھر کسی نو دولتی نے پلگ جوڑ کر ہیٹر گرم کر دیا
شیشے کی کھڑکیاں بھی پسینے پسینے ہو گئیں
کسی کی پھوسی چھت والی جھونپڑی جل گئی
بُجھ گیا ایک اندھی کوٹھری کا دِیا
ایک بوسیدہ عمارت اُس محل کے سامنے سر خم ہے
اُس کے فولادی سینے میں سوئیاں چُبھ گئیں
جس کی کٹی پھٹی چادر میں کائنات آ کے سمٹ گئی
اسی اثنا میں
آسمان سے ٹپ ٹپ تارے گرنے لگے

○

مرغوب بانہالی

فن

جلوہ گہ کو تراش کر شاید، ہیرے موتی بکھیرنا فن ہے
شبنمِستاں میں پھیر کر جھاڑو اُگتا سورج سمیٹنا فن ہے
برق زا عرش کے تذبذب میں رقصِ پیہم کا سِلسلہ فن ہے
آنکھ سے اوجھل اک پرستاں کے دولت و زر کا بانٹنا فن ہے
نوکِ قوس قزح پہ بَینِ سراب، اک کنول کا اُبھارنا فن ہے
رَت جگے میں جو خواب جاگے تھے، اُن کا نقشہ اُتارنا فن ہے
گدگدا کر گُلاب سے لانا، روٹھے ہونٹوں پہ قہقہہ فن ہے
زہر آلود تلخ جنگل میں شہد کا بونا کاٹنا فن ہے
قریۂ سنگ کے گُلابوں میں کوئی انگڑائی ٹانکنا فن ہے
مست پرویز کے لیے شاید، عقربِ وَہم کی سزا فن ہے
دست فرہادِ بے توانا سے غارتِ کوہ کی فضا فن ہے
سُرمہ کچھ آگہی کی آنکھوں میں ڈال کر جلوے پالنا فن ہے

بربطِ اعتبار پر گانا، نغمۂ اِنتظار کا فن ہے
لفظ کی صیرفی و خود زائی، ہے ہُنر معنی آفرینی بھی
وہ پرانا ہو یا نیا قالب، ندرتوں کو سنوارنا فن ہے
فن سدا زیرِ سایۂ داماں رکھتا ہے حسن کے کئی پہلو
سوز میخوار کو تھما دینا، ساز زاہد کو سونپنا فن ہے

فن ہے ذوقِ جمال کا رکھنا تجربے کے غِلاف میں محفوظ
نئے اسلوب میں تخیُّل کو، پیکرِ لفظ کی عطا فن ہے
موت کے نغمے بارہا سُن کر زندگی راہ سے بھٹکتی ہے
مَلکُ المَوت سے گوانا بھی نغمۂ زندگی بڑا فن ہے
نہیں واقف ہوں اِس کمال سے میں، یہ کرامت ہے یا طلسم وَفسوں
کیا کہوں دِل کو زہر آلودہ، نوک نیزہ کا سونپنا فن ہے
وہ جو الفاظ میں نہیں محدود، وہی رَمزِ کلام ہے مرغوب
ایک نا آفریدہ گلشن سے بوئے فرحت نچوڑنا فن ہے

○

چمن لال چمن

آدم

میری شکل سے دھوکا نہ کھا
تو نے خود اپنی آنکھوں میں
بندر کی فطرت کو کھوجا ہوگا
اپنے ہاتھوں پر
جنگلی خوف کا ذائقہ چکھا ہوگا

میرے اِنسان!
میں بَن مانس ہوں
مجھے قاتل نہ کہہ
میرے روم روم میں
دوسرے کے خون سے لب تر کرنے کی کاٹ اور چاٹ تیز ہوگئی ہے
میری فطرت کا سرچشمہ یہی ہے
میں نے ماں کے دودھ کے ساتھ

وحشی ڈھور ڈنگروں کا خون بھی نوش کیا ہے
میں ازل سے پاگل ہوں
عمروں کی خصلت (کاندھوں پہ) ڈھوتے پھرتے ہوئے
ابھی بھی
لاکھوں برس کے زخم پال کر

اپنے ناخن دوسروں کے گوشت میں پیوست کر رہا ہوں
یہی ہیں پیمانے میری لذتوں کے
جب بھی پیڑوں کی شاخوں پر ننگا جھولتا تھا
تہذیب کے پہناوے دھیرے دھیرے جل جاتے ہیں
میرا درندہ صفت اور خونخوار سبھاؤ
سرِ رہ عُریان ہے
ریشمی کپڑوں میں لپٹا ہوا بن مانس
اپنا ہی جھپڑا تلاش کر رہا ہے
اسی لیے میرے نقشِ قدم سے آتی رہے گی
خونِ آدم کی بو

○

موہن لال آش

یاد

اِس زمیں میں میرے سُنہرے خواب جذب ہو گئے
چاند کی حالت اُس بیمار جیسی ہو گئی ہے جس کی نظریں پتھرا گئی ہوں
تُمھاری خوش گُمانیاں خوابوں کے اندر ہی اندر سر اٹھاتی ہیں
دِل سینے میں سے باہر لپکنے لگتا ہے
گل کی سُرخوشی اور سرشاری ختم ہو چکی ہے
سورج پہاڑوں کی چوٹیوں کو چُومتا ہوا پھر طلوع ہو گا
بہار کے دامن میں کُسم کے پھول پھر کِھل اُٹھیں گے
کام دِیو کو نذرانہ پیش کرنے کے لیے دَھنک پھوٹے گی
میرے سینے کے گلابی داغ سُلگ کر پھر ہرے ہو جائیں گے
پھر مُضطرب ہو جائیں گے
کل کے حوادِث میرے ذہن سے چپک گئے ہیں
ان حوادِث نے گُلِ لالہ کو داغدار کر دیا
اور دل دَفنا دِیے

کاش ایک بار اُس کے حِنائی ہاتھ دیکھ سکوں
ممکن ہے کہ مرے پیچ و تاب میں قدرے کمی ہو
لو یہ رہی میری نادان تمنّا
میں سوچتا ہوں کہ ریت میں سراب چمک اُٹھیں

دور جا کر جھٹپٹے کے وقت
جب صنوبروں کے گیت ستاروں کا نشہ دو آتشہ کریں گے
مجھے رہ رہ کے تیری یاد آتی رہے گی
مرے سینے کے شعلہ ور گلابی داغ
پھر سُلگ اُٹھیں گے پھر کسی قدر اُلجھن بڑھے گی

○

محی الدین گوہر

غزل

اپنے خول کے اندر ہی بن باسی ہوں
جھوٹی موٹی شان مگر بن باسی ہوں

جانے کس نے مجھ پر افسوں پھونکا ہے
گویا اب انجر پنجر بن باسی ہوں

دھوپ کی یورش، پانی بھاپ بنا اُچھلا
ایسے ویسے برتن بھر بن باسی ہوں

گاہک کو ہے قیمت سے، لیبل سے کام
تہ در تہ، چادر چادر بن باسی ہوں

تیری چاہت لاکھ پرانی کیا کیجیے
اپنے آنگن، اپنے گھر بن باسی ہوں

اصلاً جزوِ کُل ہی گُل گُلدان کا ہے
تنہا سیپی میں گوہر بن باسی ہوں

حکیم منظور

غزل

وہ رہے موقوف بس اک نام پر، دشوار ہے
دیکھ لیں صد چہرہ کو پہچان بھر، دشوار ہے

آئینہ دل کا مرے اندر سے ہے ٹوٹا ہوا
یہ بیانِ عاجزی بھی کس قدر دُشوار ہے

کِس کے ہاتھوں ہے وُلر بدحال یہ معلوم ہے
پھر کریں گے کس طرح سے مشتہر، دشوار ہے

ہے بہت آسان دھرتی پَر سے پانی کی اُچھال
پھول کو پھر سے مَنا لینا مگر دشوار ہے

کوئی مانے یا نہ مانے، لیکن افسانہ نہیں
بالاقامت ہر شجر ہو سایہ ور دشوار ہے

آنکھ یا کمرے کو جِتنا بند کر کے بیٹھیے
ہوسکے گی کیسے بے سورج بَسر، دشوار ہے

مجھ کو از خود رفتگی نے ہی تو چونکایا بہت
خواب کا سَچ مُچ ہی مِٹ جائے اَثر، دشوار ہے

مجھ سے وہ اُفتاد و فطرت میں جُدا گانہ سہی
اِس پہ چھوڑوں آنا جانا اُس کے گھر، دشوار ہے

لفظ میں سرِ خفی منظور کیسے ڈھالیے
نوشِ جاں کر لیجیے خونِ جگر، دشوار ہے

○

محمد ایوب بیتاب

خودرَو پھول

دور بہت اُونچائی پر کہکشاؤں کے قریب
میری ننہیال، نیل گگن جیسی
شبنم نے میرے سینے میں لاکھوں منکے جَڑ دیے ہیں
سورج کی ایک خوبصورت کرن نے مجھے دَھنک رنگ کر دیا ہے
میمنے کی ایک ہلکی سی آواز سے میں تڑپ اُٹھتا ہوں
دور سے ایک جھرنا مجھے آئینہ دِکھلاتا ہے
حَسین ہوں سوڈرتا ہوں کہ کہیں مجھے ستاروں کی نظر نہ لگے
دور اُفق پار ملگجے بادل منڈلانے لگے
کُھلی بانہوں کی طرح مرے اُوپر شامیانہ سا تن گیا
جیسے کسی ماں نے اپنے خوبصورت اور تنومند بچے کو آنچل میں چھپا لیا ہو
مجھے دھاروں دھار بارشوں اور کڑکتی بجلیوں نے پالا ہے
اور ہمت دلائی ہے چلچلاتی دھولوں نے
میں اس وادی میں تنہا، سب سے الگ

فطرت کا لاڈلا نو زائیدہ بچہ ہوں
ہر منظر مجھ پر جی جان سے واری ہے
باغ میں کھلی چنبیلی، سمن، جوہی
نسترن، سُنبل، گلاب

شالیمار کے گلِ لالہ یا گلِ داؤ دی
مجھے کیا جچیں گے یہ ازلی غلام
چلو بھر پانی کے ،گرد مٹھی بھر خاک نے زنجیر کھینچ دی ہے
باغوان نے ان کو بے بس کر کے رکھا ہے
افسوس کہ یہ حُسن فروش نکلے
اگر چہ ہر کوئی انھیں بیش بہا جتلاتا ہے
لیکن کسی قیمت پر بِکنے والی چیز انمول کیونکر ہو سکتی ہے

○

غلام محمد شاد

مکڑّ

بہت معمولی اور بے مصرف
یہ اوپر نیچے کیا دوڑ رہا ہے
دوڑ دھوپ میں لگا ہوا
قدرت نے اس کے اندر ہی کہیں
انتہائی باریک اور نازک ریشہ چھپا رکھا ہے
اِسی پر چلتا ہے
اِسی پر جال بُنتا اور پھیلاتا ہے
کیڑے مکوڑوں کے شکار کے لیے تاک میں بیٹھا رہتا ہے
کس طرح چڑھتا اُترتا ہے، اُسے خود بھی نہیں معلوم
اس کا ریشہ سمٹنے لگتا ہے
جال بُننے کے پھیر میں
اس کا تار کم ہو ہو کے ختم ہونے لگتا ہے

یہ سادہ، نادان اور ناعاقبت اندیش
خوشی سے کھل کھیلتا ہے
جال بُنتا اور پھیلاتا رہتا ہے
اُسے تو بس پھیرے لگاتے رہنے کی خواہش ہے
روز چڑھنے اُترنے کی
لامحدود خوش خیالی میں مُبتلا ہے

○

شہباز راجوری

غزل

یہ سُر ڈالا ہے بنسی میں خدا نے
ہیں تجھ سے دور سَر بستہ خزانے

چُرا لیتے ہیں بَس دِل عاشقوں کے
وہ منظر موسمِ گُل کے سُہانے

اِدھر تشنہ ہوں ساقی! بُوالہوس پر
کھُلے ہیں موجۂ خُم کے دہانے

کہے جاکر کوئی ظالم ہَوا سے
نہ آئے اب مری شمعیں بُجھانے

کہا زاہد! نہ تم بخیے اُدھیڑو
مگر دِکھلا دیے آئینہ خانے

وہاں شہباز تُلتی ہے فراست
نیاز و ناز کے یکجا ٹھکانے

○

فاروق نازکی

غزل

یہ زمیں پہلے تو تھی پھولوں بھری، ایسی نہ تھی
اب یہاں جو پھوٹتی ہے چاندنی، ایسی نہ تھی

آئینہ خانہ ہو، کھڑکی ہو کہ قندیلیں سبھی
جس نے دیکھا جھانک کر، وہ دیدنی ایسی نہ تھی

اُس سے تو مہندی رچے قدموں چلا جاتا نہیں
سروِ آشفتہ یہ تیری پردگی ایسی۔ نہ تھی

وہ کہ سیلِ وقت میں ہے اِک خنک موجِ ہوا
آگ پہلے اُس کے چہرے پر لگی ایسی نہ تھی

کیا کہا، گوپال بن کر کھیلتا ہے نازکی
گوپیوں سے تھی اُسے لُکا چھپی، ایسی نہ تھی

○

علی محمد شہباز

غزل

شہر میں چرچا ہوا اِس کا کہ ہم بیچے گئے
یہ حقیقت ہے کہ بے دام و درم بیچے گئے

اہلِ کوفہ اُن کو لائے تھے بظاہر شوق سے
سایۂ طوبیٰ، مہِ گردوں حَشَم بیچے گئے

کیا نہیں ممکن کہ شمعیں بھی بُجھائی جائیں گی
جب یہیں پر آفتابِ صُبح دَم بیچے گئے

بے ہَمہ حرف و فَضیلت ہیں اُدھر مِنبَر نشین
باہمہَ علم و عطا جو تھے اہَم بیچے گئے

پُرسِش و پاسخ سے کاہے کو غرض کوئی رکھے
خوگرِ ضبطِ نوا و حبسِ دَم بیچے گئے

یوں تو اپنی کربلا میں ہَم کمر بستہ رہے
پھر بھی لاکر زیرِ شمشیرِ سِتم بیچے گئے

وقت نے کن شوخ آنکھوں میں سلائی پھیر دی
ہائے سارے اَرجمند و محترم بیچے گئے

تھی کہاں سوداگروں کو فِکر بیش از بیش کی
سارے ہی اَسباب چٹ قیمت سے کم بیچے گئے

جیسا جو کہنا ضروری ہے بھلا کیسے کہیں
ہوگئے برباد، مولا کی قَسم بیچے گئے

اب وہ عالمتاب گھونگھٹ میں ہیں، جن کے سامنے
دھوپ بھی ہوتی تھی مثلِ سایہ خَم، بیچے گئے

○

مکھن لال کنول

قطعات

میں نے جنگ اپنے ہی اندر خود لڑی ہے کیا کروں
ایک ساعت بھی نہیں خالی رہی ہے کیا کروں
جھوٹ اور سچ کے ہے اندر سب گرانڈیلوں کی جنگ
میری ہستی اپنے زخموں سے بھری ہے کیا کروں

غیر پر الزام کیا، لغزش تو میری اپنی ہے
میں نے جو کی تھی تمنّا، وہ خطا تو میری ہے
میں کہ لت پت ہوگیا قعرِ ہوس میں ڈوب کر
سَر کیا دُنیا کو پھر تکبیر خود پر پھونکی ہے

کیوں ہے یہ فریاد و زاری ابتمھارا ہوگا کیا
دستِ بستہ ہے تقاضا کِس سے اب اِمداد کا
مَن کو کُچلو تب چھٹی حِس جاگ جائے گی ضرور
یوں سبھی زنجیریں اور دروازے ہو جائیں گے وا

بات کے بدلاؤ سے ہے سوچ بھی اُلجھاؤ پر
سوچ ہے میری خمیدہ راہ کے خَم دیکھ کر

بات ٹھکرائی تو پھر اُمید بھی باقی نہیں
بات پر تو کان دھر اور سوچ کو کر دَربدر

اُس کی مرضی سَمِ قاتل کو دے اَمرِت میں بَدل
قہر کا رُخ موڑ دے اور روک دے سُوءِ عمل
وہ ہوا کو سُرعتِ رَفتار دے اور گُل کو بُو
شام اُتارے دِن میں، کردے اِک پہر کو ایک پل

بشیر بھدرواہی

غزل

گُلشن یہ تیرے حسن کا یوں ہی کھِلا رہے
کانٹا پڑا ہے دِل میں تو بالکل پڑا رہے

پل بھر کو آؤ سامنے زُلفیں بکھیر کر
یہ زخم زخم سینہ ہمیشہ ہَرا رہے

میں نے کہا حیات کی کشتی بھنور میں ہے
اُس نے کہا وفا میں تلاطم بپا رہے

کچھ روز حسرتوں سے لِپٹ جائے یہ شباب
ممکن کہاں کہ ایسا ہی منظر بنا رہے

جیوں بوئے یار لے کے تو آئی بشیر تک
تیوں بادِ صُبح اُس سے سخن سلسلہ ہے

مشعل سلطان پوری

غزل

کیا اُس کا قیام اب بھی وہیں پر ہے بتا دے
غارتگرِ ایماں کا جہاں گھر ہے، بتا دے

جس شخص کے قدموں میں پڑی رہتی ہے دُنیا
کیا اُس کا جہنّم ہی مُقدّر ہے، بتادے

ہمراہ صبا آج شفق زار کھِل اُٹھے
کیا ڈھلتی جوانی کا یہ منظر ہے بتا دے

محشر ہوا برپا نہ کہیں دُھوم مچی ہے
پردے میں سمن بر ہے کہ باہر ہے، بتا دے

زُلفوں سے جو ہے گھیر لیا مہرِ دُرخشاں
اِک برق چھُپی ابر کے اندر ہے، بتا دے

دیکھا جو جنازہ مرا، مُنھ ڈھانپ کے روئی
آنکھوں سے رواں اب بھی سمندر ہے، بتادے

اشعار میں ہے جس کی ستائش، تو پھر اُس کا
ماتھا کہیں ٹھنکا نہ ہوس کر، یہ بتا دے

آئے گا یقیناً وہ فروزاں رہو مشعل
ایسے ہی پسِ شب بھی برابر، یہ بتا دے

○

سید رسول پونپُر

ہاتھی اور ہَوا

بھلا یہ تمھیں کیا پڑی ہے
راکھ کے ڈھیر میں کُریدنے سے کیا حاصل ہوگا
جوگی! جا کے مَل لو اپنے بدن پر راکھ
تمھاری سوچ پا بجولاں ہو چکی ہے
تمھارے یقین کے کواڑ بند پڑے ہیں
اوبڑ کھابڑ راستے چھپ چھپائے سے ہیں
اور دیدے پھاڑ پھاڑ کر مایوس ہو گئے ہیں
سارے درماندہ سمندر بپھرنے کو تیار ہیں
ویران بستیوں کو برباد کرنے کے لیے
نئے مصائب ستم زدگاں کے تعاقُب میں ہیں
ہوا کے مقابل بے بس اور لاچار ہاتھی،
اپنی ناکامی کا غُصہ غریب بڑھیا کے

کپاسی کھیت پر اُتارتے ہیں
ننگے کو کچھ تو ملے گا تن ڈھاپنے کے لیے
جوگی اپنے بدن پر راکھ مل کے آؤ
اگر تمھیں یہ ماگھ کی ہوا لگ گئی
تو (جان لو) یہ ٹھنڈ اور تھوڑی سی راکھ بھی تمھارے ہاتھ نہیں آئے گی

بھلا تمھیں یہ آخر کیا پڑی ہے
راکھ کے ڈھیر میں کُریدنے سے کیا حاصل ہوگا
جاؤ اپنے باطن کو جگاؤ
اور اندر ہی اندر قیامت برپا کردو

○

مشتاق کشمیری

کشتوار

کشمیر کے فلک کا ستارہ ہے کشتوار
صبحِ بہارو شبنم تازہ ہے کشتوار

توحید کا پیام جب اُسرار لائے تھے
تب سے اِک اعتبارِ ہویدا ہے کشتوار

ساگر ہے فلسفے کا تو عِرفان کا مقام
فکر و ادب کا، علم کا چشمہ ہے کشتوار

پیچاں کی دیکھا دیکھی میں بل کھاتا ہے چناب
یا پھر اُسیرِ زُلفِ خمیدہ ہے کشتوار

نیلم کی جیسی مٹی ہے اور کوہ پہرہ دار
نُندہ ریشی کے چرار کا سایہ ہے کشتوار

گودی سخنوروں کی تو ہے صوفیوں کا گھر
شبہائے شالیمار کا نقشہ ہے کشتوار

باطِل نے دیکھا نُور فرید اوردَب گیا
ناری تھا پہلے، آج مَنارا ہے کشتوار

○

شاہد بڈگامی

غزل

دیکھے حِنا گرفتہ دستِ شباب میں نے
سہہ لی ہے چوٹ جیسے پی لی شراب میں نے

للہ دِل کو میرے پھر سے نہ آزمانا
تجھے جلوہ گر نہ سوچا کبھی بے نقاب میں نے

کُہسار کِھلکِھلائے چشمے چھلک پڑے ہیں
دونوں کو کہہ سُنائی دِل کی کتاب میں نے

جو زہر تُم نے بَخشا آب حیات جیسا
خوش ہو کے پی لیا ہے وہ بھی جناب میں نے

مر جاؤں تو تری یاد، ہمراہ میرے ہوگی
مرقد پہ لکھ رکھے ہیں گویا گلاب میں نے

اُس کا خیال شاہد ہے دل فریب منظر
لپٹا لیے گلے سے لاکر سراب مین نے

○

ظریف احمد ظریف

عیاری

کان دھر کر سُنو یہ خوش آواز
یہ تو ہے چھل، فریب، عیاری
قومِ کشمیر پار کا ہے راز
یہ تو ہے چھل، فریب، عیاری

شہری، دِیہاتی بے حواس ہُوئے
دونوں ہی اپنے آپ میں نہ رَہے
شہر کو یہ، وہ گاؤں کو لپکے
یہ تو ہے چھل، فریب، عیاری

ناتواں چڑھ گئے پہاڑوں پر
اور جِن جِن کی تھی صحت اچھی
رَہ گئے پھنس پھنسا کے دَلدَل میں
ہوئی ڈائن، جہاں کی شاہ پَری
یہ تو ہے چھل، فریب، عیاری

مار لی بازی جھوٹے یاروں نے
کھیل شَطرنج کا وہ دِکھلایا

چھ اُلٹنے سے نَو نظر آئے
جیسے خود پر سیاہ رنگ مَلا
یہ تو ہے چھل، فریب، عیاری

اعلیٰ تعلیم جتنی پاؤ گے
وقتِ گویا کہ تُم گنواؤ گے
پچھلے دروازے سے یہ لگتا ہے
سامنے والے دَر سے آؤ گے
یہ تو ہے چھل، فریب، عیاری

اپنے بالوں کو اور بھنووں کو آج
سب منڈانے لگے ہیں نَر ناری
ہُوا ماضی تباہ، حاضِر میں
جنگلوں کی ہو کیا نِگہداری
یہ تو ہے چھل، فریب، عیاری

کھیت اُگائے وُلر میں دھانوں کے
اور آنچار اپنوں میں بانٹا
صِرف جہلم بچا تھا بے چارہ
اُس کو بھی مِل کے زور سے پاٹا
یہ تو ہے چھل، فریب، عیاری

چور ہیں جنگلوں کے رکھوالے
اور معاوِن ہی جھے دار اَفسر
لکڑیاں چھوٹے چھوٹے، جھابوں میں
ڈھوئی جاتی ہیں ہر جگہ اکثر
یہ تو ہے چھل، فریب، عیاری

آدمِ نَو اب ایک چہرے پَر
لیے پھرتے ہیں سینکڑوں چہرے
نکلیں بادام میں سے گریاں سات
وہ کہ واقف ہے ایسے جادو سے
یہ تو ہے چھل، فریب، عیاری

○

محمد احسن احسن

چہرے

آئینہ گرا
اور ٹوٹ گیا
ٹکڑوں کی بناوٹ الگ الگ
کچھ گول، کچھ کونے دار
کس قدر بے ڈھب اور بے ڈول
کچھ کرچیوں کی جامیٹری میں ہنوز کوئی نام نہیں ہے
ہر کرچی میں ایک چہرہ
کسی میں ناک غائب
کسی میں کان کٹا ہوا
کسی اور کو دیکھو تو اندھا
شاید ہی کوئی ٹکڑا ایسا ہو جس میں حسین چہرہ نظر آئے
یہ سارے چہرے میرے ہیں

یہ چہرے دیکھ کر
میں نے اپنے چہرے پہ ہاتھ پھیرا
ٹٹولا اِدھر اُدھر
کہ کہیں محسوس ہو مکمل چہرہ
چہرے پل پل تیور بدلتے رہتے ہیں
مجھے تو خود کو ایک ہی چہرہ دن بھر دکھائی دیتا ہے

ایس راضی

بھالُو سے دوستی

کہتے ہیں اک شخص کچھ نادان تھا
ہاں مگر پھر بھی وہ اک انسان تھا

اُس نے اک بھالُو سے کرلی دوستی
دوستی پھر اور گہری ہوگئی

پھر نہ کوئی خوف اور خطرہ رہا
اِس طرح اِک دوسرے کا ہوگیا

یوں کہیں وہ دوست تھے اِس طرح کے
مختلف دوساز جیسے مِل گئے

مدّتوں شانہ بہ شانہ وہ چلے
باہمی حافظ محافظ بھی رہے

دونوں جانب سے بڑی اُلفت رہی
اِک سہارا اور دِلی قوّت رہی

ایک دِن ایسا ہُوا بھالو کا یار
دِن دہاڑے سوگیا بے اختیار

بھالو خوش خوش گھومتا پھرتا رہا
اور خوشی میں جھومتا پھرتا رہا

ایسے میں چھوٹی سی مکھی آن کر
دوست کے چہرے پہ بیٹھی بے خطر

سوچا بھالو نے کہ اِس کی ذات کیا
بے ادب مکھی کی ہے اوقات کیا

گندی مکھی دوست کے چہرے پہ ہو
اے میاں بھالو نہ اِتنا غم سہو

سوچا بھالو نے میں بے غیرت نہیں
کِس طرح برداشت ہو، عادت نہیں

اُس نے اِک پتھر اُٹھایا دوڑ کر
چہرے کی مکھی اُڑانے کے لیے

سوچیے مارا کِسے، کِس کے لگا
دوست ہی آخر نِشانہ بن گیا

زخموں سے اُس کا بدن سب بھر گیا
خون میں لت پَت ہُوا اور مر گیا

یاد رکھو یہ ہماری بات بھی
جب بھی بھالو سے کرو گے دوستی

جیتے جی پالو گے اِک جنجال تُم
اور اُتروا‌ؤ گے اپنی کھال تُم

○

پیارے ہتاش

غزل

میں دیکھتا ہوں اپنے گھر میں درآئے جنگل
پہلو میں دھیرے دھیرے پَل پَل سمائے جنگل

صحراؤں سے گزرتے رستے سُلگ رہے ہیں
صحرا میں کیسے اپنی ہمت دِکھائے جنگل

ٹھہری ہوا میں کوئی رُت ہی نہیں بَسنتی
سیّال پتھروں سے مر ہی نہ جائے جنگل

از بسکہ دیکھتا ہوں اٹھتے ہوئے بگولے
لگتا ہے دل میں حسرت سے تِلملائے جنگل

نظروں میں بَس رہی ہے اک طرفہ خوش گُمانی
سائے پہاڑ پر سے کیونکر بچھائے جنگل

شاید صدائے صَر صَر پہنچے بگوشِ قدرت
بے خوف و بے تکلّف جب سرسرائے جنگل

اُٹھ اُٹھ کے موسموں کے شعلے لپک رہے ہیں
جلنے سے خود کو شاید ہی روک پائے جنگل

شفیع شیدا

غزل

جو ہے عیاں بچشمِ پُر اسرار، کچھ تو کہہ
سارا ہی کھُل گیا سرِ بازار، کچھ تو کہہ

کیوں، کِس لیے چمکتی دمکتی ہے مثلِ شمع
کیسے کٹے گی یہ شب دُشوار، کچھ تو کہہ

کِس کے لیے تو آنکھوں کے ساگر کے سامنے
یوں گوندھتی ہے موتیوں کے ہار، کچھ تو کہہ

دستِ حنائی تو مرے سینے پہ رکھ گئی
میں بھی رہا ہوں تیرا دل افگار، کچھ تو کہہ

میں دل کی کائنات سجائے ہوں منتظر
تو جابسی ہے بستیوں کے پار، کچھ تو کہہ

جامہ کٹا پھٹا ہے مرا تو اِسے نہ دیکھ
اب چشم سُرمگیں سے لگاتار، کچھ تو کہہ

شاید لگی تھی تو کہیں زلفیں سنوارنے
سورج ہوا ہے شب سے نمودار، کچھ تو کہہ

تیری غزل اَلاپ کے شیدا ہوا جہاں
بربط اُٹھا، بدیدۂ خوں بار، کچھ تو کہہ

○

بِملا رینہ

واکھ

❶

ہیں تمھاری ذات کے اندر خزانے راز کے
برف ہے ساون کی یہ، تم کہہ دو عہدِ شاب سے
ہر طرف چُننا، پھٹکنا اور پسانا چاہیے
ہے سواری سات کی اور زین سو کے واسطے

❷

میں نے اپنے آپ میں سوزِ جگر پیدا کیا
اندر اندر ہی تصادُم اپنی ہستی سے ہُوا
ہوگئی معدوم میں یا میری ہستی گُم ہوئی
میں نے اپنے تیر کا خود کو ہدف بنوادیا

❸

وہ ہے بس اپنی شبیہہ و مثل اپنی ذات میں
یعنی جو مخلوق ٹھہرا، ہم اُسے خالق کہیں
اُس کا ہے جسم و ہیولیٰ اور نہ کوئی روح و جان
جب وہ چہرے بدلے بنتی ہیں ہزاروں صورتیں

❹

پانی کوّے کی طرح پیتے نہیں ہونہر سے
ایسے میں کیا اپنی عاقل روح کو سمجھاؤگے

(یہ تعجب ہے) پہن کر تم ہواؤں کا لباس
کیسے شارح بن سکو گے ہستیِ بے نام کے

5

میں نے مٹی سے تراشی ایک روحانی ضِیا
پائی مٹی ہی میں مٹی کی محبت اور وفا
دیکھے مٹی ہی میں انوارِ ہزاراں آفتاب
اور مٹی ہی میں اک آہنگ شکتی کا سُنا

6

جس کو اپنی دس حسوں پر ہے مکمل اختیار
ہو گئے اُس کے کمان و تیر آمادہ بکار
وہ ہے شہ کی دلبری میں بے نیازِ ہر طلب
گھونٹ گھونٹ اُس کو مِلا آنند کی مَے کا خُمار

○

پریم ناتھ شاد

یادیں

جانے کیسے بیٹھے بیٹھے یاد مُجھ کو آگیا
سایۂ سَرو و صنوبر باغِ شالیمار کا
شام شِیتل، پُرسکوں شب اور گھنے پیڑوں کے بیچ
بید کی ڈالی پہ اِک بُلبُل کا آکر جھولنا
نخلِ خوبانی کے اوپر آخری ڈالی کے پاس
ایک دوشاخے پہ قائم خوبصورت گھونسلا
اور پھر اس خوبصورت گھونسلے کے آس پاس
چونچ میں کوئل دبائے ایک تِنکا دُوب کا
اک نشیبی سمت سبزہ زار میں اُترا ہُوا
بھیڑ بکری اور اُچھلتے میمنوں کا جمگھٹا
گُل بَداماں سبزہ زاروں کی طرف نافہ ملے
جوشِ مستی میں ہر اک ہانگل[1] ہرن ہے جھومتا
چہرۂ قوس قزح کو شوق سے دھوتی ہے اوس
اور گُلِ ریحاں کے خوشبودار پودوں کی فضا
زندگی کے خاکے میں اِک رنگِ نو بھرتی صبا
نور کے نشّے میں سُرے کی مِلاوٹ جا بجا

---

1 کشمیر کا منفرد بارہ سنگھا

وہ چناروں کی صفیں، چشمے، وہ خواب آسا سکون
اور پرستاں کے رسیلے میٹھے نغموں کی صدا

وہ ملنساری رواداری، وہ عُمروں کی مِٹھاس
اِعتمادِ و اِعتقاد انمول اک سرمایہ سا
سب یاد آتا ہے مجھے

O

غلام محمد غمگین

غزل

نظر میں اُس کی میری طرح کچھ منظر رہے ہوں گے
شکستہ خواب دِل میں جاگزیں اکثر رہے ہوں گے

لبوں پہ اُس کے بھی کچھ لفظ آ کر بجھ گئے ہوں گے
خلِش آسا جگر میں کتنے ہی نِشتر رہے ہوں گے

چھپی تھیں اُس کی باتیں بارہا اخباروں کے اندر!
بِنا چھاپے بھی اُس کے پاس کُچھ دفتر رہے ہوں گے

کئی دِن کوہ کن کی طرح بھی اُس نے گُزارے ہوں
نظر میں اُس کے بھی دِلدار اور دلبر رہے ہوں گے

بچا کر عکس، کُچھ ارمان اور کچھ شوخ تحریریں!
یہ موتی اُس کے آئینوں میں سج دھج کر رہے ہوں گے

کبھی لفظوں کے سیلابوں میں بھی وہ بہہ گیا ہوگا
کبھی نظروں میں قِسمت کے کئی چکّر رہے ہوں گے

نقوش رنگ کُچھ لفظوں میں، کچھ سازوں میں ہیں غمگین
گرفتہ پتھروں میں بھی کئی پیکر رہے ہوں گے

منشور بانہالی

غزل

دِل ہے طاہر کی طرح محوِ سفر جلدی میں ! دیکھ
کیا کہوں اب کے ہے ہر فرد بشر جلدی میں! دیکھ

اُس نے کب اخبارِ رؤدادِ گلستان پڑھ لیا
سرخیاں پر صرف دوڑائی نظر جلدی میں، دیکھ

کر لیا قلب و جگر کو اک نگہ میں ہی اسیر
تیر کیا پھینکا یہ تونے کارگر جلدی میں! دیکھ

رُومؔی و اقبال صدیوں بعد ہوتے ہیں ظہور
روز یاں آتے نہیں ہیں دیدہ ور جلدی میں، دیکھ

زندگی کی چند سانسیں ہیں! غنیمت جان لے
باندھنا ہے پھر تُجھے رختِ سفر جلدی میں! دیکھ

تیری عظمت کا بیان منشؔور کرسکتا ہے کیا؟
لِکھ دِیے کچھ لفظ اُس نے مختصر جلدی میں، دیکھ

○

غلام نبی آتش

احساسِ زیاں

عقل وخرد کی باتیں
بے معنے ہیں اب!
تختۂ صندل کے نیچے
زہراب اُگا
خودغرضی کا! بدغرضی کا
لوگ ہوئے سرخم بھی تو
چم خم کے ساتھ
بھول کے اُلفت مول عداوت لی ہم نے
سورج میں حدّت نہ رہی
اور ظلم کا کیڑا ہے ہر سو
سچائی!
دولت کا چکر!
احباب کا یارانہ!

نہ رہا۔
ہاتھ ملانا آپس میں
مشکوک ہوا
ہم نے کیا کیا پایا

اور کھویا کیا کیا؟
اور عقل وخرد کی باتیں ہیں بے معنے اب
پیار محبت اور
اقدار
اِک اِک کر کے ختم ہوئے
اشراف کے دِل
بوجھل
بداطوروں کو بھاتے ہیں
کام بُرے
خوے شرافت ہے اپنی
بیمار سی اب

ہم نے کیا کیا پایا
اور کھویا کیا کیا
عقل وخرد کی باتیں ہیں بے معنے اب!
اہل مناصب! بے بہرہ ہیں سب
ہم سے
وہ مست ہیں محلوں میں اپنے
اور اپنے مفادوں پر رکھتے ہیں
خوب نظر!
رعیّت ہے بچاری!
پورے دِن نعرہ زنی کر کے
گھبرا جاتی ہے

فاقے ہی سوتی ہے!
ہم نے کیا کیا پایا!
اور کھویا کیا کیا
عقل وخرد کی باتیں ہیں بے معنے اب!

مردوں پر گُل باری
اور
زندوں کے لیے کانٹوں کے صحن
انسان!
بننا چاہتا ہے اک فنکار
فنکار! جو بھائیوں پر اپنے
ڈھاتا ہے ستم
کر دیتا ہے گُل
پیار، محبت کی یکجہتی
ہم نے کیا کیا پایا
اور کھویا کیا کیا
عقل وخرد کی باتیں ہیں بے معنے اب

○

ایوب صابر

غزل

میرے خیال میں، ابد آباد ہوگیا
جو مرگیا وہ رنج سے آزاد ہوگیا

ہر بندے کو ہے ماننا فرمان موت کا
اُستاد کا یہ درس مجھے یاد ہوگیا

مفہوم موت کیا کوئی جانے کہ اب یہ لفظ
ہر ذی حیات کے لیے ایجاد ہو گیا

یاں بے بسی کو دیکھ کے! شیریں ہی نہیں
آمادہ زہر کھانے پر فرہاد ہوگیا

جس نے گزاری سادگی سے اپنی زندگی
جنت مکانی بن کے وہ! دِلشاد ہوگیا

تعمیلِ حکم جس نے بھی کی اِس جہان میں
وہ خوش ہوا، سُرور ملا، شاد ہوگیا

معلوم ہی نہیں ہے کہ کب تک جیے گا کون
آسودہ دل کوئی، کوئی ناشاد ہوگیا

ہے کُل شئیً ھالک صابر خدا کا حکم
جو یہ سمجھ نہ پایا وہ برباد ہوگیا

○

غلام رسول جوش

غزل

چاندنی کے بیچ میں گویا کرن تھی دھوپ کی
تھا یہی وقت سکون! سیماب ہستی کا میری

یاد ہے مجھ کو گھنیری چھاؤں کی تنہا وہ شے
اِک شبیہِ جسم کامل گویا محوِ رقص تھی!

تھی صِفر کے مِثل وہ ساعت مساوات سعید
اِک طرف تفریق سی تھی اک طرف تھی جمع سی

کر نہ اب دیوانگی اے قیسِ یوں اس شہر میں
لوگ کوسیں گے! جسے لیلا کہا لیلا نہ تھی

دھوپ دِن کو جھاڑ کر نکلی ہے، تنہا جوش اب
رات پوری رات آنکھوں میں اِسے جلتی رہی

○

سعد الدین سعدی

غزل

وہ وقت دِل میں جب ہُوا پیدا گُمان سا
وہ وقت یہ مکان ہوا کچھ لا مکان سا

بازو پسار کے وہ سمٹنے لگا ہے کچھ
سایہ سمیٹتا تھا اُسے آسمان سا

میں نے جو پوچھا اُس سے کہ کچھ نام تو بتا
بولا کہ میں تو جیتا ہوں بس اک نشان سا

جانے اُسے دکھائی دیا خواب کہ میں کیا
طوفان کا بھی ہوتا تھا اُس میں گمان سا

سرسبز اُجلے خواب تھے پُر شور سی صدا
ہر کوچہ میں وہ خوفزدہ کودگان سا

اس شہر پر ہے طاری ہر اک سمت رنگِ مرگ
ہر جسم بن گیا ہے کوئی آستان سا

○

رنجور تلگامی

غزل

ہم نے نہیں کہا کہ ہمیں کس نے دکھ دیا
ہم یار باش تھے تو ہمیں مل گئی سزا

اُس کو عصا دیا تھا کہ آجائے اُس کے کام
اُس نے اُسی عصا سے مجھے نیم جاں کیا

چسکا تھا یہ، کرائے کا کوئی مکاں ملے
املاک باپ دادا کی نیلام کر گیا

جتنا سمیٹتا رہا اپنے وجود کو
اُتنا اُسے بکھیر کے خود غم نے رکھ دیا

ہے پورا شہر سویا، خدا رحم ہی کرے
سنگم[1] کا پانی خطرے سے اوپر ہے بہہ رہا

بیچا لباس کہنہ، خریدا ہے عصرِ نو
کہتے ہیں لوگ، اچھا پُرانا ہی دور تھا

کوئی نہ سمجھا اُس کا بلند ایسا تھا کلام
اُس نے سُنا یا آپ ہی اور خود ہی سُن لیا

رنجور نکتہ سوجھا یہ قاصد کو بھی نہیں
مرنے کے حیلے بن گیا میں راج ہنس سا

○

1 سنگم اننت ناگ کشمیر کے پاس

تنہا نظامی

مُغالطے

کوئی بن باسی!
اِسے بھی کیا کوئی تشریح کہے
میں تو آنکھیں موند کر
اور تتلیوں کو دیکھ کر
کر رہا ہوں گوشت اب یوں ہی فروخت
زندگی!
شانوں پہ میرے برف کے تودے کی مانند ہے کھڑی
گھیر رکھا ہے مجھے
افسردگی، آلام نے
اس خنک یخ بستگی میں!
تو! کسی جانب
کوئی روزن نہیں
تاکہ

ٹھٹھرے ہاتھ پاؤں کو میں گرماتا کہیں
کیا کسی کو
دھوپ والا شہر کوئی تو نہیں زیرِ نظر
کوئی امکان ہی نظر آتا نہیں

سورج کو کوزے سے نکلنے کا ہنوز
اور اس بے چہرگئی وقت نے
شبنمی آنکھوں کو پژمُردہ کیا
کس مسیح کی آمد واُمید میں
دِن بسر کرتے ہیں
اپنے شہر باش
جی یہ کہتا ہے کہ دِن بھر کے لیے
نرم ٹھنڈی ریت پر سو جاؤں میں
چاندنی کے ریشمی دھاگوں کا کوئی
نرم دفتر ہی
سجا لیتا ذرا

کھردرے ہاتھوں کو میرے
ہوتی کچھ ٹھنڈک نصیب
پھر
نظر میری جہاں تک
ساتھ دے دیتی میرا
میں وہاں تک!
ساتھ ہو لیتا اُسی کے
دست بدست

○

فیاض تلگامی

غزل

ابر آلودہ فلک، آندھی، ہوا، گرد و غُبار
ہے مری دانست میں موسم بہت ناسازگار

گُم ہوئی تصویر ہے شاید کوئی اپنی! کہ میں
دیکھتا ہوں کھول کر البم کو اپنے بار بار

میں چوراہے پر کھڑا تکتا ہوں پردہ گیر کو
پر نہ ہو کوئی مرے ہی شہر کا ہے جان کار

اپنی صورت ہی کم از کم تو دِکھاتا یہ مجھے!
مجھ کو آئینے پہ بھی بالکل نہیں اب اعتبار

ہیں دُکانیں ادھ کھُلی! کوئی خریداری نہیں
آج ہے بازار میں کچھ پھر سے شاید انتشار

ہے نہیں شیشے کا کوئی محل میرے پاس دیکھ
ہے بہم بیمار کو بس اِک یہی خستہ دیار

سوچ کی حدتک کیا فیاض تونے صبر جب
چھپ گیا اخبار میں اُس صبر کا اک اشتہار

○

م ح ظفر

اگیان

سوچتا ہوں میں کبھی......کوئی کرتا ہے اگر بے جا کلام (بے متعلق)
ٹھیک سے پوچھیں مجھے......ہاں یہ بھی ممکن تو ہے
تذکرہ کرتا ہے گر کوئی تمھارے نام کا
پوچھتا ہے گر کوئی!
مجھ سے برائے تذکرہ
''تم کون ہو؟''
رک گیا گر وقت کا دھارا، یہ بہتی ندیاں
کانپ اُٹھے گا مرا پورا شریر!
پھیل جائے گی مرے چہرے پہ بالکل مُردنی
میرے کتنے جنم یوں ہی وقفِ ماضی ہو گئے
رائیگاں ہوتے گئے!
میں نے کب!
ہونے، اور سہنے، میں کی کوئی تمیز!

اک اندھیرا
اور اگیان
کون میں؟ اور کون تو؟
میں کہوں گا

میں ہوں اگیان۔ متھیا، میں استھ ہوں
میں فقط، ظلمت کدّے کا عالمِ نادیدہ ہوں
پر طلب ہے روشنی کی
نور کی بھرتیں بہت
اک طلب ! بس اک طلب
میں ہوں سراپا جستجو
مہا کال ! عرصے میں پھیلا ہوا ہوں

O

شفیع شوق

غزل

جب کوئی بھی ساتھ نہ دے گا تو تنہا رہ جائے گا
پھر تو لوٹ کے خود ہی خود میری جانب آجائے گا

وہ بھی دِن آئے گا تیرے قدموں میں، میں پہنچوں گا
دیوانے کے سر پر رکھ کے ہاتھ تو خود سہلائے گا

دِن بھر سوکھی شاخوں کو چونچوں سے مارا ہُد ہُد نے
ہوں ریشم کے غنچے میں! یہ ساز مجھے بہلائے گا

سیدھے سادھے، الہڑ، آوارہ، انجانے پاگل لوگ
کشتی ہے گرداب میں اِن کی کون انہیں سمجھائے گا

تیری جوانی کا جوبن، آرائش اور یہ حسن و جمال
باتوں میں جب ٹھُہرے گا تو خود ہی خود بُجھ جائے گا

شہر پرایا! شورِ مسلسل، اور گھنے جنگل کا ڈر
'میں' جو 'میں' ہوں تنہا گھر میں کون یہاں اب آئے گا

ساری معنے خیز عبارت بکھر گئی اوراق میں دیکھ
جتنا مجھ سے ہو پایا، اب تجھ کو کتنا بھائے گا

اب تک بس کتبے ہی کتبے چھوڑے میں نے راہوں میں!
آگے! اب یہ آنے والا دِن خود ہی دفنائے گا

○

غلام حسن غمگین

غزل

غم نصیبوں کی عید ہو یارب
ہر کوئی مُستفید ہو یارب

آہ وزاری کریں گے مِل کر سب
عرضیوں کی شنید ہو یارب

بے کسوں کے دِلوں کا ہر اک زخم
اب کے مرہم رسید ہو یارب

جب شفاعت کریں گے آنسرورؐ
ہم کو بھی لطفِ دید ہو یارب

ہم کو احساسِ معصیت تو ہے
مغفرت کی نوید ہو یارب

العطش حشر کی تمازت میں
آبِ کوثر کی دید ہو یارب

ہوں گے شاداب اپنے اُجڑے چمن
عہد رفتہ جدید ہو یارب

دور ہو جائیں سب مصائب وغم
گُل راحت دمید ہو یارب

ہم بھی دیدار کعبہ کرلیں گے
یہی وعدہ وعید ہو یارب
زیرِ سایہ نبیؐ کے ہو غمگین
ایسا روزِ سعید ہو یارب

○

عبدالغنی بیگ اطہر

غزل

ڈھل گیا سورج تو چھائی ہے بھیانک رات اب
کون جانے کس طرح کے گُل کِھلائے رات اب

رات! اُس بے آسرا کے سر سے چادر لے گئی
کون جانے کس بچارے کو رُلائے رات اب

صبر کے دامن کو میں نے اور بھی پھیلا دیا
آزمانے دو جہاں تک آزمائے رات اب

رہزنوں سے بڑھ کے مجھ کو رہبروں کا خوف ہے
اے خدا محفوظ رکھ پھر سے نہ چھائے رات اب

رات کو اپنے اندھیرے پر بہت ہی ناز تھا
حال اپنا دیکھ کر شرما نہ جائے رات اب

گھن گرج ہونے سے پہلے شب کو آئے بھوت کچھ
کیا خبر ہے کس کی خاطر پھر سے آئے رات اب

رات آجاتی ہے لے کر ایک نویدِ صبح نو
خوش رہو! مایوس مت ہو پھر جو آئے رات اب

نور کی کرنوں سے تم پر پھول برسائے گی پھر
خوش رہو اطہر تمھیں گر آزمائے رات اب

○

مشتاق فریدی

نعت

اے صبا یہ نعت لے جا سُوے دربارِ رسولؐ
خالقِ ارض و سما ہے ناز بردار! رسولؐ

مثلِ خورشید درخشاں اُن کی نورانی دلیل
نورِ حق کا پرتو تاباں ہے انوارِ رسولؐ

ہم پریشاں ہیں خزاں نے باغ ویران کردیا
ہے ہماری وجہ سے بے رنگ گُلزار رسولؐ

اُنؐ کے صدقے، میں عمل کرنے سے قاصر رہ گیا
کون سا مُنھ لے کے جاؤں پیش دربارِ رسولؐ

رحمت للعالمینؐ مشتاق ہے رہبر تیرا
صُبح تاباں کی طرح روشن ہے کردارِ رسولؐ

○

رفیق راز

غزل

آنکھوں میں اُس سماں کو گرفتار کر لیا
مہتاب روشنی میں سیہ کار کر لیا

میرا ضمیر خفتہ ہے میرے وجود میں
پیر حرم نے کب اِسے بیدار کر لیا

وعدہ خلافی میں نے ہی کی اور بعد میں
کہہ کر دہلی، بھی میں نے ہی اقرار کر لیا

بوسیدہ ہوگئے تھے مرے ہاتھ میں حروف
شاید خدا، ہے میں نے ہی اقرار کر لیا

بعد از نماز! پھیر لیا میں نے جو سلام
پھر دائیں بائیں دہر کا دیدار کر لیا

بعد از سلام! میں دبے پاؤں نِکل گیا
نے معذرت ہی اُس نے نہ اِقرار کر لیا

کھودی زمین پھر بھی خزانہ نہ ہل سکا
لیکن وہ میں نے قابو میں شہہ مار کر لیا

باتوں میں ہی یہ آج کا دن بھی نکل گیا
آراستہ جو چھاؤں میں جو دربار کر لیا

O

ایاز رسول نازکی

غزل

گیارہ نفوس مر گئے ٹی وی کی ہے خبر
سب نے ابھی ابھی یہ جگر تھام کر سنا

لو قافلے کا ایک مسافر مِلا مجھے
در پیش ہے بہت اُسے مشکل سفر ! سنا

راجہ کا خون ہوگیا رانی ہے محوِ ناز
بھائی نے اپنے اُسکو پلایا زہر سُنا

گاؤں تمام اُس نے نِگل ڈالے جب سبھی
روپوش شب کو پھر ہوا خود بھی شہر سُنا

صرافوں کی دُکان پہ لوہار بیٹھے ہیں
اب زرگروں نے چھوڑ دیا کارِ زر سُنا

ہر چند اُس نے راز کو پوشیدہ رکھا تھا
ہم دور ہی تھے راز وہ ہم نے مگر سُنا

جوشِ جنون میں اپنا یہ ایاز صاحب آج
شب بھر رہا ہے خود سے بہت بے خبر سُنا

○

نسیم شفائی

غزل

فسانوں کو فراغت سے سُنانے کا محل ہوتا
وفا کے کچے دھاگوں کو بندھانے کا محل ہوتا

میّسر ایک ساعت کاش ہوتی زندگانی میں
وہی باہم تمھیں نزدیک آنے کا محل ہوتا

کھُلے لوگوں نے دروازے رکھے ہیں پرانے محلوں کے
خوشی سے شہر باشوں کو جگانے کا محل ہوتا

گریباں کو رفو کرنا تھا اُس کے کچّے دھاگوں سے
شبینہ اس کو پیراہن سجانے کا محل ہوتا

قدم آگے بڑھانے کا وہ پیارا وقت آ پہنچا
تماشائی کہیں! یہ دِل دُکھانے کا محل ہوتا

اگر چہ شام خوش گُن تھی رُکی تھیں شمع کی سانسیں
اُسی پل شہر سے ہم کو بھی جانے کا محل ہوتا

کیا ہوتا نہ وعدہ ہم نے باہم ساتھ ملنے کا
بہت آساں وہ وعدہ بھول جانے کا محل ہوتا

○

برج ناتھ بے تاب

غزل

دل آدمی کا درد چھپائے گا کہاں تک
آنکھوں میں بہت تیز جُدائی کی جلن ہے

بے نور ستاروں کو کیا جس نے فلک پر
نور اُس کی بغل ہی میں ہوا جلوہ فگن ہے

میں ہوں کہ پریشان ہوں ہر ایک جہت میں
اک سمت سے کھینچے ہے تو اک سمت گھٹن ہے

دیکھا کہ ابھی مہر درخشاں کا تھا ہمدوش
دیکھا ابھی شمشان سا ویران چمن ہے

یخ بستہ و سرد اُس کا جوانی میں ہوا دِل
جو دھوپ کی شدت میں بھی افسردہ بدن ہے

کانٹوں سے بھرے شہر کی کیا بات کروں میں
یاں آسماں بھی جیسے سیہ رنگ کفن ہے

سورج نکل آتا کہ کنول دل کے کھِل اُٹھتے
یا آسماں پہ جلتی ہواؤں کا چلن ہے

جینے نہیں دیتا ہے یہاں روح کو یہ جسم
ظالم ارے اے دوست یہی حُبِ وطن ہے

○

محمد یوسف مشہور

کربل کتھا

ہے کربل کتھا جان سے بھی سوا
ہے اقوام کے واسطے جاں فزا

یہ کربل کی تپتی ہوئی ریت دیکھ
لُہو مانگتی ہے اُبلتا ہُوا

نہ ہو دست نِگر پیش طاغوت تو
یقین پختہ رکھ بر عطائے خدا

ہے افسوس و صد حیف ذوالجوشن پر
ہے محبوب بننا اُسے ہمنوا

اُٹھائی نظر کس نے حَسنین پر
یہ کِس کی نگاہوں پر پردہ پڑا

کیا کس نے شاداب اسلام کو؟
لہو کس کے دِل کا فسردہ ہوا؟

اندھیرے میں دِل کس کا روشن ہوا؟
بھٹک کے ہوا کون گمراہ بتا؟

ہراساں کیے کس نے معصوم دِل؟
دیا کس نے انسانیت کو جلا

ہے پیکر جیا کون ایثار کا؟
پُجاری ہے کون نفسِ شیطان کا؟

سلیقہ بیان کا دے مشہور کو
شہیدوں کی عظمت وہ لکھتا سدا

○

علی شیدا

غزل

تو بھی کب تک سہہ سکے گا ہجر آتش بار دیکھ
میں بھی رکھتا دھوپ میں یہ سایہ اشجار دیکھ

مانگنے والے کو کیا یہ سر کی چادر کی عطا
عارضی ہے چھت پہ لکڑی کے ہرا گل زار دیکھ

آگ کی مشعل، ہوا نے بادلوں میں گھیر لی
ریت نے پانی کی چھاتی پر لکھا شہکار دیکھ

دھوپ کا ٹکڑا ہے اِک پتے سے کچھ لٹکا ہوا
ہے پسِ آئینہ بچپن کا مرا کردار دیکھ

چند موتی آنسوؤں کے اور میکے کا خیال
شب کی دُلہن ہے سمیٹے رگرہ میں سنسار دیکھ

اب بھی یوسف کرتا ہے چاکِ گریباں میں رفو
دوش پر منصور کے ہے اب بھی کیا اظہار! دیکھ

اِس طرح غزلوں میں ہے شیدا سجا حرفِ ہُنر
اُگ سکے صحرا میں بھی جو معنی اشعار دیکھ

○

بشیر عارف

غزل

ہیں گونگے بہرے سارے پرندے ہی شہر کے
راجے کو مشورے کے لیے آستین کھُلے

مانگی ہے دِل سے ہم نے بھی کب خیر کی دُعا
اُن پر عمل کہاں کیا؟ آیات جو پڑھے

حلقے بنا سکیں نہ ہماری سہیلیاں
دُلہوں کے واسطے کہاں ہم گیت گا سکے

مجلس میں کوئی دعوتی دستر نہیں بچھا
ہیں منتظم زیادہ ہی شاید حدود سے

اکہتر، سنتالیس، سات اور پچاس کے قریب
کشمیری نان بائی کے کلیجے ہیں دیکھئے

اے للہٰ دیدی! کب یہ سیہ رات گزرے گی
اے نندہ ریشی خوں میں یہ وادی ہے ڈوب کے

کیا گھر کے اندر ہو تم سب افراد برابر
باہر ہے کرفیو، تیز ہیں بارش کے سلسلے

دروازے کھُلے کھڑکیاں چھوڑی کھلی میں نے
غیروں کے نہیں ہم ہیں اپنوں کے ہی ستائے

○

بشر بشیر

ایک خموشی ایک سوال

"لا ابرحُ حتیٰ اَبلغ مجمع البحرین"
میں گونگا ہوں!
کہو! تمھیں میری قسم ہے
کیا وہ دم بستہ چوٹیاں، ہر شام کو
اب بھی اُس جھلستاتی آگ کو آغوش میں نہیں لیتیں
جو میں نے بہت پہلے خواب میں پھُنکارا تھا
ہوا کے سی پاروں پر جو باسی عبارت ہے
اُس کے پاکیزہ حروف میں نے تخلیق کیے ہیں
معصوم آشائیں میں نے اس کے گلے میں سجائیں
اور آپ کے ہنروَر ہاتھوں نے اُنہیں قوت دی
شام کے سُرمئی سائے میرے نغموں کو گنگناتے ہیں
میری غزل! نازُک فضا میں
شفاف پانیوں پر آپ کی شبیہہ بناتی ہے
برقِ سمندر وہی! انداز تفاخر لیے ہوئے ہے
جس کو تمھاری خاطر ایسے نقشوں میں اُتارا

تمھارا صبر! اگر شاہونی کی گود کو اُجاڑ دیتا ہے
میری آنکھوں کے سامنے بھی ایک یوشع کھلا ہوا ہے

تمھاری نظر اگر انطاکیہ کی دیواروں کو کریدتی ہے
مگر اب کون گونگا وجود اُسی طرح کی سانس لے گا
جو آپ کے ہونٹوں سے کھیل کر
نیلے آکاش پر سیاہ قلم سے لکھا جائیگا
"ھٰذا فراق بینی و بینک"

میں گونگا ہوں
کہیئے ! آپ کو میری قسم ہے
میرا مضطرب دِل
خاموشی سے شفق رنگ ہوا چاہتا ہے
شرماتا ہے
صرف!
آپ کے جواب کا منتظر!

○

شاد رمضان

غزل

ڈر کے مارے پنچھی جاتے نہیں ہیں اپنے تھار
صدا صدا آوے ہے 'بارِ خدایا پاپ توار' [1]

آئینے نے کب چاہا تھا؟ ٹکڑے ٹکڑے ہوتا
میں نے بھی جب دیکھا! توڑی میں نے بھی دیوار

مانا ہم نے کھویا 'نالہ مار' [2] و 'اَنہِ وِلاس' [3]
پھر بھی تو بڈشاہ کے پوتے ہیں کافی زر دار

کشکولوں کی بھیڑ ہے لوگوں کا ہرسُو ہے ہجوم
پھر بھی لوگ مجھے خوش بختوں میں کرتے ہیں شمار

کہتے ہیں اِک جوگی تھا سندور کے پتھر پر
شاید اُس کی نیند کے ہیں کوہساروں پر آکار

جیب سے اُس کے گھر والوں کا نِکلا اک البم
ورنہ کہاں پہچان کے اُس کے مِل پاتے آثار

پرانی شمعوں کے بدلے میں تاریکی لی مول
اب یہ راز بتائیں ہم کِس کِس کو سرِ بازار

یا تو کالا مرقد بدلے اُس بے چہرے کا
ورنہ میری توقع یکسر بھلائے گُل انار

---

1 ''خدایا میرے گناہ معاف کر''

2, 3 نجھوں کے نام

جانے خدا اشعار مرے تقطیع سے نہ گرتے ہوں
مجھ کو بھی معلوم ہیں علمِ عروض کے دعویدار

○

شہناز رشید

غزل

ہر گھاٹ پہ، ہر گام پہ ہیں بس یہی چرچے
ہر جائی تو ہوتے ہیں سبھی نفس کے بھوکے

اک جنگ ہوئی دھوپ کے ٹکڑوں پہ تو دن میں
اب ان کی لڑائی کہیں شمعوں پہ نہ ہوجائے

تھا 'لار'[1] جو اک نام وہ ہے 'دار'[2] سے منسوب
اِن میلوں کے پتھر سے یقیں اپنا نہ اُٹھے

میرے ہی سبب اُن کے لگے بولنے طوطے
میں نے ہی مضامین درختوں پہ ہیں لکھے

بارش ہے کبھی برف، کبھی دُھند کبھی دھوپ
ہیں جھاڑیوں میں گھونسلے چڑیوں نے بنائے

ہے کل کی طرح آج بھی تنہا مہِ سوزاں
حیران ہوں شہناز کہ سب لوگ ہیں سوتے

○

1 گاندربل علاقے کا ایک گاؤں

2 لار سے کوئی دور مقام

رخسانہ جبیں

غزل

کسی نے مجھ سے عجب تقاضا کیا نہاں آفتاب رکھنا
نظر کی چلمن میں بند پلکیں کیے ہوئے اپنے خواب رکھنا

وہ آرہے ہیں حریف ہاتھوں میں لے کے پتھر گڑھے کی جانب
ہماری کوشش رہے گی اتنی کہ ایستادہ ہے آب رکھنا

چلو یہ مانا کہ آئنے کا کریں نہ ہم التزام گھر میں
تو اس کا مطلب ہے آپ ہی خدّ و خال اپنے خراب رکھنا

یہ وقت کے دُھول دھبے بہتر ہے پونچھ ڈالیں وجود پر سے
سکوں طلب زندگی کی خاطر رو انہیں یہ عذاب رکھنا

وہ چاہے تو میرے نام بھیجے تمام خاروخلش کو خط میں
مشامِ جاں کا بھی فرض ہے خوشبوؤں سے لکھ کر جواب رکھنا

ضرور اس کائنات بھر کو تو آ کے باغ و بہار کردے
بلند میرے چمن کی مٹی کا مُسکراتا گُلاب رکھنا

ہو حشر کا سامنا تو کیوں کر، یہ سوچ کر ہی لرز رہی ہوں
اے شانِ ربی! نہ گمرہی کا، نہ معصیت کا حساب رکھنا

○

عزیز حاجنی

بے چارگی

اک مسافر ہے کھڑا چوراہے پر درماندہ سا
ہے کہاں جانا اسے؟ کرنا ہے کیا؟ ہے بے خبر
خوبصورت راستے
ہر راستہ ہے واقعی اتنا حسین و دِل رُبا
ہاں! مگر ہیں راستے اتنے زیادہ اور شاخوں میں بٹے
بوالہوس
ہر مُسافر اسقدر سوچوں میں ہے اُلجھا ہوا
دِل گرفتہ بات کرنے کو نہیں موقع اِسے
اس لیے اس نے عجب سیکھا ہے ناٹک کھیلنا
شوخ خونی کارواں اس پر بھی 'واہ'
انتقام و تیر باراں پر بھی 'واہ'
کوئی اوڑھے شوخ کلیاں پھر بھی 'واہ'
چاندنی شب، چاکِ داماں پر بھی 'واہ'
اِک مسافر کو چمن میں خوفِ مرگ

موسمِ گُل میں ہی آتی ہے خزاں
خوشک ہیں پانی کے چشمے اور روٹھے اس سے 'ریشی' ہیں سبھی
آگ ہے ہر سو

نظر صورت کوئی آتی نہیں
یاس کا مارا ہے لیکن گاہ گاہ
دِل کے اندر اُس کے
جینے کی ہَوس موجود ہے
''اے مرے حضرتِ سلیماں! کر مجھے قوت عطا''
کاش اِس عنقا کو رحم آئے ذرا
جو جھپٹ کر مجھ کو لے جاتا پروں پر دور تک
دور تنہائی کے جنگل میں جہاں
چیختا! جنگل کے ریچھوں کو سُناتا حال میں
جس کو سن کر بھیڑیے، بندر، ہرن، رُوباہ و شیر
فخریہ انداز میں کہتے کہ بے شک
ہم سبھی جنگل کے وحشی ہیں ضرور
شُکر ہے دھرتی کے ہم خونخوار آدم تو نہیں!

مجروح رشید

خواب

نیم شب کو میں نے دیکھا اس طرح اِک خواب کل
برف گاؤں اور برفیلے چناروں کے تلے
آخری شب کو اچانک ہی وہ جاگا اور پھر
کر دیا سوزِ نفس سے اِس فِضا کو گُل بہار
دیکھ اب یہ جھنڈ شاہینوں کے کِس انداز سے
اُڑ رہے ہیں بے کنارو بے کران آکاش میں
اور اِک تنہا کبوتر کو کیا ہے شرمسار
دِل مرا پُر خار جھاڑی میں اُلجھ کر رہ گیا
ریت کا صحرا اُمڈ آیا ہے آنکھوں میں مری
آگیا منھ کو کلیجہ، دیکھ کر لالے کا پھول
اُگ گیا خون کبوتر سے ہرا نخلِ چنار
جس کے دامن میں رواں ہے ایک شیریں آبشار

اور بُجھاتے ہیں کبوتر پیاس اِس کوثر کے پاس
بس اسی سپنے میں گونجی میرے کانوں میں اذاں
برق نے گویا شبِ ظلمت کو چیرا بیچ میں
برف غاروں کو بہاروں کی ہوا چھونے لگی

اور یخ بستہ ضمیروں میں حرارت آگئی
برف شاخوں کے تلے لکڑی بجھی پھر جل اُٹھی
قطرۂ شبنم سمندر کا پرکھتا ہے وجود
ہے کبوتر کی طرح اُڑتا ہوا ابرِ بہار
اپنی آنکھوں میں سمو لیتا ہے جیسے دھوپ کو
اور زَمَرُّد کے پروں سے جھاڑتا یا قوت ہے
یہ تو میرے ہی چناروں سے پگھلتی برف ہے
یہ تو میرا ہی زَبروَن دیکھتا ہے خواب دیکھ

O

محفوظہ جان

للہ موج

نرمئی گفتار! سایہ سرو کا......تراوت روح کی
خود کو رنگِ 'یا ہو' میں رنگ کر
گول پتھر کے ٹکڑے کو دھو دھو کر
اپنی بھوک مٹاتی
زنجیروں کا بوجھ اٹھا کر
محوِ سفر
مندر، مسجد کے جھگڑوں کو چھوڑ کر
اور جگ کو تیاگ کر
ذکرِ خدا میں مست
آدم کے پیکر خاکی میں
کرتی ہے انسان کی تلاش
نندہ ریشی! جو پابرہنہ نکلا ہے
اور ڈھونڈے ہے اس کو

لل تو کسی نان وائی کی دُکان پر تو نہیں گئی؟
راکھ اور آگ میں کھِلائے پھول
ماں!......
اس تاریکی میں ہم کو بھی

تو دِکھا! محبت کی راہ
ہم کو بھی دِکھا امن کی راہ
اک بار
ہماری آگ میں پھر سے
پھول کھِلا!

○

شہزادہ رفیق

غزل

قدم قدم پر زاغ و زغن ہیں اور ہیں گِدھ
کتنے بھاری ظالم آدم خور ہیں گِدھ

بستی کے آثار کہیں موجود نہیں
آگے پیچھے ریت کا صحرا اور ہیں گِدھ

شجر شجر بے برگ ہے ننگا لگتا ہے
ڈالی ڈالی خوف کی آندھی اور ہیں گِدھ

دریا اور چشمے سب آگ میں جلتے ہیں
گہرا گھاؤ سمندر میں ہے اور ہیں گِدھ

درماندہ سا چاند لگے آکاش میں ہے
بکھری ہیں سورج کی کرنیں اور ہیں گِدھ

امیدوں کے پر کاٹے سے لگتے ہیں
لاشوں کی آرائش ہر سُو اور ہیں گِدھ

نام و نشان انصاف کا بالکل ہے ناپید
ہر جانب سے بہتا خوں ہے اور ہیں گِدھ

○

شعرا مختصر تعارف

غلام احمد مہجور : مِتر گام پلوامہ (1888-1952) کشمیری شاعری کے بانی کاروں میں سے ہیں۔ آپ نے پرانی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے، کشمیری شاعری میں موضوعی اور ہیئتی اعتبار سے انقلابی تبدیلیاں کیں۔ مہجور کو شاعرِ کشمیر کی حیثیت سے زبردست عوامی مقبولیت حاصل ہے۔ آپ نے نظم اور غزل دونوں میں قلم آزمائی کے جوہر دکھائے۔ ایک مثنوی بھی قلمبند کی ہے۔ کشمیری تواریخ پر آپ کی گہری نظر تھی۔

عبدالاحد آزاد : رانگر بڈگام (1903-1945) کشمیری زبان کے اُن اہم شعرا میں شامل ہیں جنھوں نے نِت نئے تجربے کر کے عام انسانوں کے مسائل کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ آپ ایک ترقی پسند اور انقلابی شاعر ہونے کے علاوہ ایک بلند پایہ کے محقق اور نقاد بھی ہیں۔

ماسٹر زندہ کول : (1884-1966) کشمیری زبان کے بہت ہی سربرآوردہ اور نمائندہ شعرا میں شمار کیے جاتے ہیں۔ آپ کے مجموعہ شعر 'سُمرن' کو ساہتیہ اکادی کی طرف سے ایوارڈ سے نوازا گیا ہے۔ جو کشمیری ادب کے لیے اِس قومی پیمانے کے ادارے کی جانب سے سے دیا جانے والا پہلا ادبی ایوارڈ تھا۔

صمد میر : نمبل ہار (1892-1959) سے تعلق رکھنے والے کشمیری زبان کے معروف اور مقبول صوفی شاعر مانے جاتے ہیں۔

غلام رسول کامگار : کشتواڑ (1888-1984) سے تعلق رکھنے والے اردو اور کشمیری زبان کے شاعر ہیں۔ آپ نے علامہ اقبال کی فارسی مثنوی 'اسرارِ خودی' کا بھی منظوم کشمیری ترجمہ کیا ہے۔

احد زرگر: سری نگر(1979-1901) آپ اعلیٰ پایہ کے صوفی شاعر ہیں۔آپ کا اسلوب اور لہجہ دیگر صوفی شعرا سے مختلف ہے۔آپ کے کلام میں نئی نئی علامتیں اور تشبیہات پائی جاتی ہیں۔زرگر صاحب کا منظوم 'اکہ ننڈن' بہت ہی مقبول ہے۔

غلام رسول نشاط کشتواڑی: کشتواڑ (2002-1909) سے متعلق اردو اور کشمیری زبان کے شاعر ہیں۔آپ کا کشمیری مجموعہ کلام 'موختہ ہار' کے نام سے موسوم ہے۔آپ نے عربی اور فارسی زبان کی کچھ شاہکار کتب کا کشمیری زبان میں ترجمہ کیا ہے۔آپ کے اردو کلام کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

رسا جاودانی: بھدرواہ (1979-1901) کشمیری زبان کے مقبول شاعر ہیں۔اردو اور کشمیری دونوں میں فِکر شعر کرتے تھے۔ریاستی کلچرل اکادمی کی جانب سے آپ کو 1962 میں خلعت فاخرہ سے بھی نوازا گیا ہے۔اِس شیرین بیان شاعر کے دوشعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

غلام احمد فاضل کشمیری: (2004-1916) آپ کشمیری زبان کے بلند پایہ نعت گو شاعر ہیں۔بہت ہی زوُد گو اور بسیار گو شاعر تھے۔آپ نے مختلف اور نئے نئے موضوعات پر نظمیں موزون کی ہیں۔آپ کی تخلیقات کی فہرست کافی طویل ہے۔آپ ایک ترجمہ کار بھی تھے اور نعت لکھنے میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔

مرزا عارف: (2003-1910) آپ کشمیری زبان کے مُربی ہیں۔'گُلریز' رسالہ کے بانی کار کے علاوہ آپ ایک فعال تمدنی کارکُن تھے۔قرآنِ حکیم کا کشمیری زبان میں منظوم ترجمہ اور تفسیر بھی قلمبند کی۔عارف صاحب کو بہت سارے اعزازات سے بھی نوازا گیا ہے۔

غلام رسول نازکی: سری نگر(2003-1910) اردو اور کشمیری زبان کے کہنہ مشق شاعر ہیں۔آپ نے کشمیری زبان میں بے مثال رُباعیات کو تخلیق کیا۔'کاوینہِ وول' یعنی 'کوّوں کی بارات'، 'نمرود نامہ' اور 'آواز دوست' آپ کی رباعیات کے مجموعے ہیں۔

جانباز کشتواڑی: ڈوُل کشتواڑ (1990-1925) کشمیری زبان کے شاعر اور گُلوکار تھے۔آپ

کے کلام میں سوز اور نغمگی ہے۔ چلنت فوک لور کے ماہر تھے۔

تنہا انصاری: دِلنہ بار ہمولہ (1969-1914) آپ ایک سرکردہ ماہرِ تعلیم اور نامور شاعر تھے۔ 'شبنمستان' آپ کا اردو شعری مجموعہ ہے اور 'فُرات' کشمیری مجموعہ شعر ہے۔

دینا ناتھ نادم: حبہ کدل سری نگر (1988-1916) آپ ایک روایت ساز شاعر ہیں اور ترقی پسند تحریک کے بانی کاروں میں سے ہیں۔ آپ نے کشمیری شاعری میں موضوع اور ہیئت کے بہت سے نئے تجربات کیے۔ 'شہلِ کُلؕ' آپ کے کشمیری مجموعہ کلام کا نام ہے۔

غلام نبی فراق: بہوری کدل سری نگر (1922) عیسوی ایک نمائندہ شاعر اور نقاد ہیں۔ 'صداتہٕ سمندرٕ' اور 'سہٕ اَکھ صداتہٕ' آپ کے مجموعہ ہائے کلام ہیں۔ کشمیری شاعری میں آپ نے نئے ہیئتی تجربے بھی کیے۔ آپ ایک معتبر اور اعلیٰ پایہ کے محقق اور نقاد بھی ہیں۔

امین کامل: کاپرن کولگام (1924) عیسوی ایک اعلیٰ پایہ کے ادیب، شاعر، نقاد، ترجمہ کار، ڈرامہ نگار، افسانہ نگار، محقق اور ناول نگار ہیں۔ 'مس ملر'، 'لُوتہٕ پٔرۍ'، 'بیٚیہٕ سُے پان'، 'پٔدِس پۆد ژھاے' اور 'یِکہٕ میانۍ سوخن' آپ کے شعری مجموعے ہیں۔

رحمٰن راہی: سری نگر (1925) آپ ایک برگزیدہ شاعر، تنقید نگار، ترجمہ کار اور ادیب ہیں۔ کافی عرصہ تک کشمیر یونیورسٹی میں شعبہ کشمیری کے سربراہ رہے۔ زبان و ادب کو آپ کی سنجیدہ دین ایک بے مثال اثاثہ کے طور پر ہمیشہ یاد کی جائے گی۔ آپ کی گیان پیٹھ ایوارڈ سے بھی عزت افزائی کی گئی ہے۔

شمبو ناتھ بٹ حلیم: ارولولگام (1924) ایک مشہور صحافی اور براڈ کاسٹر ہیں۔ آپ نے بہت سے ترجمے بھی کیے ہیں۔ 'وبتھِ ہٕنٛدۍ آلو' آپ کا موقر مجموعہ کلام ہے۔

واسدیو ریٚہہ: بٹہ پورہ سوپور کشمیر (1927) بیسویں صدی کے کشمیری شعرا میں ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔ بصارت چشم سے محروم ہونے کے باوجود آپ نے بہت سارا کلام موزون کیا۔ جس میں ... فن کاروں اور موسیقاروں نے ساز اور آواز کے لباس

سے آراستہ کر کے اثر آفرین انداز میں پیش کیا۔

محی الدین نواز : رتنی پورہ پلوامہ (1936) معروف اور مقبول شاعر ہیں۔ سلاست اور روانی آپ کے کلام کی خاص پہچان ہے۔ آپ وژُن، غزل اور رُباعیاں لکھتے ہیں۔ 'مضراب' آپ کا نمائندہ مجموعہ کلام ہے۔

ارجن دیو مجبور : زینہ پورہ شوپیان (2010-1933) ایک بسیار نویس شاعر اور ادیب کے علاوہ آپ ایک محقق، نقاد اور منجھے ہوئے ترجمہ کار تھے۔ 'دشہار'، 'دزِونی کوسم'، 'پُدی سمیکھ'، اور 'ستِوٚل' آپ کے شعری مجموعے ہیں۔

غلام نبی خیال : سری نگر (1936) آپ ایک شاعر، نثر نگار، ترجمہ کار، صحافی اور ایک ترتیب کار ہیں۔ 'زنجیرِ ہُنرِ ساز' اور 'الہام' آپ کے شعری مجموعے ہیں۔ عمر خیام کی رباعیات اور ارسطو کی پوئٹیکا کتاب کا آپ نے قابلِ ستائش ترجمہ کیا ہے۔ اردو اور انگریزی زبانوں میں بھی قلم آزمائی کرتے ہیں۔

فارق بڈگامی : بڈگام (2004-1924) کشمیری زبان کے معتبر مرثیہ نگار ہیں۔ پوری عمر مختلف طریقوں سے اپنی مادری زبان کی خدمت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔

غلام رسول سنتوش : چنکرال محلہ سری نگر (1997-1929) نہ صرف ملکی پیمانے کے بلکہ عالمی سطح کے مصوّر اور فن کار مانے جاتے ہیں۔ ساری عمر کشمیری زبان میں فکرِ شعر کرتے رہے۔ 'بےٚ سوکھ روح' شعری مجموعہ پر آپ کو ساہتیہ اکادمی کے ایوارڈ سے نوازا گیا۔

منظور ہاشمی : وِترگام ووگورہ (1997-1935) کشمیری زبان کے سرکردہ محقق اور خاکہ نگار ہیں۔ آپ کی تقریباً دس مطبوعات شائع ہو چکی ہیں۔

نشاط انصاری : دِلنہ بارہمولہ (2000-1930) آپ ایک شاعر، اِنشا پرداز محقق اور بسیار نویس ادیب ہیں۔ کشمیری کے علاوہ اردو زبان میں بھی لکھتے تھے۔ کشمیری زبان و ادب کے لیے قابل ستایش خدمات کی ہیں۔ 'نار وَان' آپ کا کشمیری مجموعہ کلام ہے۔

حامدی کشمیری: سری نگر (1932) آپ برِ صغیر کے نامور اردو شاعر اور نقاد ہیں۔ کشمیری زبان کے ایک شاعر، محقق اور نقاد کی حیثیت سے بھی آپ کو اہم مقام حاصل ہے۔ 'نارس اَتھ واس' آپ کا کشمیری مجموعہ کلام ہے۔

رشید نازکی: بانڈی پورہ (1931) آپ ایک شاعر، ادیب، ترجمہ کار، ترتیب کار اور محقق ہیں۔ آپ نے بے شمار علمی مضامین اور تحقیقی مقالات بھی تحریر کیے ہیں۔

ناجی منور: کاپرن کولگام (1933) آپ ایک شاعر محقق اور ترجمہ کار ہیں۔ 'ناگہ راد'، 'شُر بن ۂنڈری باٗتھ' اور 'باٗتہِ کتھ' آپ کے مجموعہ ہائے کلام ہیں۔ آپ کی ایک مختصر مثنوی ''پوٗزِ تہِ پزِ' کشمیری مثنوی ادب میں ایک اضافہ ہے۔

غلام نبی ناظر: کولگام (1931) آپ ایک شاعر ترجمہ کار اور محقق ہیں۔ آپ کی دو درجن سے زاید کتابیں آج تک شائع ہو چکی ہیں۔

غلام نبی گوہر: کرالہ پورہ (1934) شاعر، ناول نگار، ترجمہ کار اور ایسّے نگار ہیں۔ اور ایک خاص اسلوب اور طرزِ تحریر کے حامل ہیں۔ 'صحرا' اور 'سراب' آپ کے نمائندہ شعری مجموعے ہیں۔

مظفر عازم: ٹنگمر گ (1934) کشمیری زبان میں رومانی لہجہ کے نمائندہ شاعر ہیں۔ نظمیں بھی لکھتے ہیں اور غزلیات بھی۔ 'زولانہٕ' اور 'حرف ڈاے' آپ کے شعری مجموعے ہیں۔

موتی لال ساقی: مہنور چاڈورہ (1936-1999) ہماری زبان کے صفِ اول کے قلم کاروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ایک اعلیٰ پایہ محقق ہونے کے علاوہ آپ ایک اہم شاعر اور نقاد بھی ہیں۔ آپ نے درجنوں کی تعداد میں کتابیں لکھی ہیں۔ بہت سے اعزازات سے بھی آپ کو نوازا گیا ہے۔

عبدالرحمٰن آزاد: قویل پلوامہ (1932-1996) شاعر، صحافی اور نثر نگار ہیں 'کر بہنہٕ ماز کھنجہِ' اور 'انہار' آپ کے شعری مجموعے ہیں۔ [illegible] ریاستی کلچرل اکادمی نے آپ کے کلیات کو

شائع کیا ہے۔

مرغوب بانہالی : بانہال (1937) آپ ایک شاعر، نثر نگار اور ترتیب کار ہیں۔ کئی کامیاب ترجمے بھی کیے ہیں۔ 'پرتوستان'، 'تجلستان' آپ کے دو شعری مجموعے ہیں۔ آپ کشمیر یونیورسٹی میں شعبہ کشمیری کے بھی سربراہ رہ چکے ہیں۔

چمن لال چمن : شیش یارحبہ کدل (1936-1994) ایک محبت بھرے شاعر تھے۔ آپ غزل اور نظم دونوں کی صنفی باریکیوں کے آشنا تھے۔ روایت کے ساتھ ساتھ تخلیقی جدّت کو بھی برتا۔ 'شبنمی شعر' آپ کا شعری مجموعہ ہے۔ کئی سالوں تک شیرازہ رسالہ کے ایڈیٹر بھی رہے۔

موہن لال آش : بجبہارہ، آپ ایک تجربہ کار شاعر، ادیب ترتیب کار اور تمدّنی کارکن ہیں۔ 'اُچھ وٕنکی آلوٗ' آپ کا نمائندہ شعری مجموعہ ہے۔

محی الدین گوہر : سوپور (وفات 1994) اہم نظم نگار ہیں۔ آپ کے دوشعری مجموعے 'رَکھ' اور 'نہہ دوٗ' شائع ہو چکے ہیں۔

حکیم منظور : گوجوارہ سری نگر (1938-2007) اہم سرکاری منصبوں پر فائز رہنے کے باوجود ساری عمر فکرِ شعر کرتے رہے۔ آپ کے آٹھ شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں جن میں سات اردو میں اور ایک کشمیری زبان میں ہے۔

محمد ایوب بیتاب : شوپیان (1939-2005) رومانی غزل گوئی میں ایک مخصوص لہجے کے حامل تھے۔ 'گزل' اور 'وبتراوٗن' آپ کے شعری مجموعے ہیں۔

غلام محمد شاد : بجبہاڑہ انت ناگ، آپ ایک شاعر، عالم، محقق، ترجمہ کار اور ناقد ہیں۔ آپ کی تصانیف اور تالیفات کی فہرست کافی طویل ہے۔

شہباز راجوری : بہروٹ راجوری (1940) ایک کہنہ مشق شاعر اور معتبر ادیب ہیں۔ آپ کے چار شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ 'پوشہِ پرٕنی گتھ' آپ کا تازہ ترین مجموعہ کلام ہے۔

فاروق نازکی : بانڈی پورہ (1940) کشمیری اور اردو زبانوں کے شاعر ہیں۔ آپ نے مرزا شوق کی 'زہر عشق' مثنوی کو کشمیری میں منظوم شعری جامہ پہنایا ہے۔ 'نار ہیوُتُن کنزل وَنس' آپ کا نمائندہ شعری مجموعہ ہے۔ جس پر آپ کو 1995 میں ساہتیہ اکادمی کے ایوارڈ سے نوازا گیا ہے۔

علی محمد شہباز : شاٹھ گُنڈ ماور ہندوارہ (1939-1996) کشمیری زبان کے نامور شاعر تھے۔ 'شہباز' نام سے آپ کا ایک مجموعہ کلام بھی شائع ہوا ہے۔

مکھن لال کنول : سنگرام پوٗر سوپور (1936) کشمیری زبان کے ایک کہنہ مشق شاعر ہیں۔ محکمۂ تعلیم میں بحیثیت اُستاد کام کرتے رہے اور بحیثیت ہیڈ ماسٹر سبکدوش ہوئے۔ آپ کی تقریباً پانچ کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔

بشیر بھدرواہی : بھدرواہ (1935) ادیب، شاعر اور نقاد ہیں۔ 'گوشن ۂنڈی پوش' آپ کا کشمیری شعری مجموعہ ہے۔ نعت، غزل، نظم اور رباعیات بھی لکھتے ہیں۔

مشعل سُلطانپوری : سلطان پور کنڈی بابا ریشی...... آپ ایک شاعر، نقاد محقق اور ترجمہ کار ہیں سلاست بیانی آپ کی شاعری کا خاصہ ہے۔ 'ہی وَن' آپ کا شعری مجموعہ ہے۔

سید رسول پونپُر : بجبہارہ (1940-2011) معروف شاعر، ایسے نگار، نقاد اور نعت نویس ہونے کے علاوہ ایک معتبر محقق بھی ہیں۔ بہت سے اِنعامات سے آپ کو نوازا گیا ہے۔

مشتاق کشمیری : سری نگر (1931) آپ کی شاعری اسلامی رنگ لیے ہوئے ہیں۔ 'ژوٗک مۆدُر' اور 'شورِ محشر' کے علاوہ آپ کے اور بھی کئی شعری مجموعے ہیں۔ آپ ایک مثالی نعت گو بھی ہیں۔

شاہد بڈگامی : بڈگام (1937) آپ ایک مشہور شاعر، نثر نگار اور کشمیر کی تمدنی تحریک کے ایک فعال کردار ہیں۔ آپ محقق بھی ہیں اور ترتیب کار بھی۔

ظریف احمد ظریف : سرینگر (1943) آپ عصری حِسی آگہی سے آراستہ معروف شاعر ہیں۔ آپ انشائیہ نگار اور تمدنی کارکن بھی ہیں۔ 'خبر تو گمہٕ وُنن' آپ کی شائع شدہ کتاب ہے۔

محمد احسن احسن : حاجن (1937) شاعر، ادیب اور ترتیب کار ہیں۔ آپ ایک معروف اُستاد اور ایک فعال تمدنی کارکن بھی ہیں۔ نظم نگاری کی جانب زیادہ مائل ہیں۔

شیخ راضی : کنبلون (1943) ایک پُر گو اور بسیار گو شاعر ہیں۔ شاعری میں ایک مخصوص اسٹائل کے حامل ہیں۔ 'کتھ وَنے' کتاب پر ساہتیہ اکادمی کی جانب سے 2010 میں بال ساہتیہ ایوارڈ سے نوازا گیا۔

پیارے ہتاش : اننت ناگ ......شاعر، نثر نگار اور ترجمہ کار ہیں۔ 'تم دوٚ تم رأژ' آپ کا شعری مجموعہ ہے۔

شفیع شیدا : سرینگر ......بیسویں صدی کے کشمیری رومانی شاعر ہیں۔ آپ کے مجموعہ شعر 'اَمار' کو ساہتیہ اکادمی ایوارڈ سے نوازا گیا ہے۔

بملا رینہ : کھاہ بازار اننت ناگ (1947) کشمیری زبان کی ممتاز 'واکھ گو' شاعرہ ہے۔ 'ریٖش مالیُن میون'، 'وتھ ماچھےٚ شونگتھ' آپ کے شعری مجموعے ہیں۔

پریم ناتھ شاد : قاضی باغ بڈگام (1934) کشمیری زبان کے نغماتی شاعر ہیں۔ آپ کا کلام آسانی کے ساتھ ساز پر آراستہ کیا جاسکتا ہے۔ آپ کے کئی شعری مجموعے شائع ہوئے ہیں۔ 'یادن ہُند آوَن گام' کافی اہم ہے۔

غلام محمد غمگین : سرینگر (1943) ایک کہنہ مشق پختہ کار شاعر اور ترتیب کار ہیں۔ 'ریہہ تہ سریہہ'، 'میراث'، 'احساس' اور 'کلیات واژہ محمود' آپ کی تصنیفات اور تالیفات ہیں۔

منشور بانہالی : بانہال (1948) کشمیری زبان کے ایک معتبر شاعر اور محقق ہیں۔ آپ کا کلام جدّت بیانی کے ساتھ اخلاقی اقدار کا پاسدار ہے۔ نظمیں، غزلیں، نعت اور قطعات لکھتے

ہیں۔ 'جیمو صوبس منز کأشرِ زبأنِ تہٕ ادبک توأریخ' آپ کا اہم تحقیقی اور تنقیدی کارنامہ ہے۔

غلام نبی آتش : نائِل اننت ناگ (1949) آپ ایک شاعر، نقاد، محقق، مرتب اور مصنف ہونے کے علاوہ کشمیری فوک لور کے تحقیق کار بھی ہیں۔ آپ کا تحقیقی کام معتبر اور مستند مانا جاتا ہے۔

ایوب صابر : نوگام سری نگر : (1938) آپ کشمیری زبان کے ایک مِزاح گو شاعر ہیں۔ بچوں کے ادب سے خاصا لگاؤ رکھتے ہیں۔ آپ کی ایک درجن سے زیادہ کتب شائع ہو چکی ہیں۔ 'گُلالن شادمانی' بچوں کے لیے آپ کی تازہ ترین تخلیق ہے۔

غلام رسول جوش : کنہ دجن چرار شریف : ایک پختہ کار اور سنجیدہ شاعر ہیں۔ جدید اخلاقی اور انسانی مسائل آپ کی شاعری کا بیشتر موضوع ہیں۔

سعد الدین سعدی : (1948) آپ ایک شاعر، محقق اور ترتیب کار ہیں۔ آپ نے دل پذیر نعوت موزون کیے ہیں اور آپ ایک فعال تمدنی کارکُن بھی ہیں۔

رنجور تلگامی : تِلگام پٹن (1948) کشمیری زبان کے اہم غزل گو شاعر ہیں۔ آپ نے صوفیانہ نکات اور اصطلاحات کا تجزیہ کرنے کے حوالے سے 'نورِ عرفان' کے نام سے ایک کتاب قلمبند کی ہے۔ آپ ایک مشہور براڈ کاسٹر بھی ہیں۔

تنہا نظامی : مراد آباد کریری (1945) آپ ایک معتبر نظم نگار اور غزل گو ہیں۔ آپ کا شعری اسلوب جُداگانہ ہے۔ شاعری کے علاوہ نثر بھی لکھتے ہیں۔ 'تاپھ چھُ تیلان' آپ کا نمائندہ شعری مجموعہ ہے۔

فیاض تلگامی : (1950) آپ ایک پختہ کار شاعر ہونے کے علاوہ ایک محقق اور تمدنی کارکن بھی ہیں۔ 'لاجواب' آپ کا کشمیری شعری مجموعہ ہے۔

م، ح ظفر: تحصیل بڈگام (1948) مختلف زبانوں میں اظہار بیان کرتے ہیں۔ خاص کر کشمیری

زبان میں فکرِ سخن کرتے ہیں۔ تنقیدانہ تحقیق پر بھی خوب دسترس رکھتے ہیں۔ آپ ہائر ایجوکیشن کے ساتھ وابستہ ہیں اور کشمیر یونیورسٹی کے کشمیر اسٹیڈی سینٹر میں بحیثیت ڈائریکٹر کے بھی خدمات انجام دیں۔

شفیع شوق : کاپرن شوپیان (1950) آپ ایک کشمیری شاعر، نقاد، ترجمہ کار اور ادبی مورخ ہیں۔ عرصہ تک کشمیر یونیورسٹی کے شعبہ کشمیری کے سربراہ رہے۔ 'یاد آسمانٔن ہُنز' آپ کا مجموعہ کلام ہے۔

غلام حسن غمگین : سرینگر...... آپ ایک مقبول براڈ کاسٹر اور نعت گو شاعر ہیں۔ آپ کے کئی نعتیہ مجموعے زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکے ہیں۔

عبدالغنی بیگ اطہر : کپوارہ (1948) آپ ایک شاعر، ترجمہ کار، تحقیق کار، افسانہ نویس اور ڈرامہ نگار ہونے کے علاوہ ایک فعال ادبی کارکن بھی ہیں۔

مشتاق فریدی : ڈوڈہ (1966) آپ ایک صالح فکر اور نیک دِل شخصیت کے مالک ہیں۔ 'سراجاً منیرا' اور 'برگِ سبز' آپ کے نعتیہ مجموعے ہیں۔

رفیق راز : سرینگر (1950) آپ جدید حِسی آگہی رکھنے والے شعرا میں ایک ممتاز درجہ کے مالک ہیں۔ راز کشمیری شاعری کا ایک نمائندہ نام ہے۔ 'نَے چھےٚ نالان' اور 'دستاویز' آپ کے شعری مجموعے ہیں۔

ایاز رسول نازکی : سری نگر : (1951) کشمیری زبان کے ایک مقتدر شاعر، محقق، تنقید نگار اور ترجمہ کار ہیں۔ آج کل آئی سی سی آر کے کشمیر یونٹ میں بحیثیت ریجنل ڈائریکٹر کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

نسیم شفائی : سری نگر (1952) کشمیری شاعری میں نسوانی لہجہ کی نمائندہ شاعرہ ہیں۔ 'دُ رچہِ مژرِتھ' اور 'ژھاے نہٕ عکس' آپ کے دل پذیر شعری مجموعے ہیں۔

برج ناتھ بیتاب: بونہٕ پورہ اُکن گوم (1953) ایک فعال تمدنی کارکن ہونے کے علاوہ معروف شاعر اور خوش آواز نیوز ریڈر بھی ہیں۔

محمد یوسف مشہور: کپوارہ (1953) ایک فعال تمدنی کارکن ہونے کے علاوہ اخلاقی اقدار کے پاسدار ہیں۔ آپ کی شاعری میں اخلاقی اور اصلاحی رنگ پایا جاتا ہے۔ نظم اور غزل کے علاوہ نثر نگاری میں بھی ملکہ رکھتے ہیں۔

علی شیدا: نیورہ ...... جدید حسی آگہی کے ایک نمائندہ کشمیری شاعر ہیں۔ جموں و کشمیر بینک میں سینئر منیجر کے منصب پر فائز ہیں۔ آپ کے کئی شعری مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں۔

بشیر عارف: سری نگر (1954) شاعر، افسانہ نگار اور معروف براڈ کاسٹر ہیں۔ آپ کا سلیس اور صاف لہجہ عوام پسند ہے۔ اس لیے آپ کا بہت سا کلام اور نعتیں کافی مقبول ہیں۔

بشر بشیر: ژی ڈورو بیروہ (1954) کشمیری زبان کے اعلیٰ پایہ کے محقق اور نقاد ہیں۔ حضرت شیخ العالمؒ کی شاعری کے متعلق آپ کی کتاب 'یمن پدبن مے وہٕژار گوژھے' پر آپ کو ساہتیہ اکادمی کی جانب سے 2010 کے ساہتیہ اکادمی ایوارڈ سے نوازا گیا۔ اس وقت آپ کشمیر یونیورسٹی میں 'مرکزِ نور' شعبے میں چیرمین کے منصب پر فایز ہیں۔

شاد رمضان: آرم پورہ کولگام (1956) آپ ایک شاعر، نقاد اور ترجمہ کار ہیں۔ 'اَتھ ظلماتس لعل چھِ کیاہ تے' اور 'سہل چھا معنی بوزُن' آپ کے پُر مغز تحقیقی اور تنقیدی مقالات کے مجموعے ہیں۔ لوک ادب کے ساتھ بھی دلچسپی رکھتے ہیں۔ غزل اور نظم دونوں میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔

شہناز رشید: نوپورہ سوپور (1954) کشمیری زبان میں جدید حسی آگہی سے آراستہ ایک ذہین شاعر ہیں۔ آپ کا ایک مخصوص اسلوب ہے۔ 'دود کھٕٹِتھ گلدانن منز' آپ کا شعری مجموعہ ہے۔

رُخسانہ جبیں: سری نگر (1955) آل انڈیا ریڈیو میں اسسٹنٹ ڈائریکٹر کے عہدے پر تعینات

ہیں۔اردو اور کشمیری دونوں زبانوں میں طبع آزمائی کرتی ہیں۔ایک سنجیدہ تحقیق کار کے علاوہ آپ ایک مقبول براڈ کاسٹر بھی ہیں۔

عزیز حاجنی : (1975) آپ ایک سنجیدہ اور معتبر شاعر ہونے کے علاوہ کشمیری زبان و ادب کے ایک اہم مُربّی اور فعال پیشکار ہیں۔کشمیری زبان کی ترقی کے لیے ہمہ تن مصروف کار رہتے ہیں۔آپ کی بہت سی غزلیں اور نعت مقبول عام ہیں۔کئی کتابوں کے مرتّب ہیں۔ آپ ایک مستند ترجمہ کار، ترتیب کار اور محقق بھی ہیں۔

مجروح رشید : (1958) شاعر اور نقاد ہیں۔عصری کشمیری شاعری آپ کا پُر مغز تنقیدی کارنامہ ہے۔آپ کے مقالات کشمیری ادب کو ایک بڑی دین ہیں۔

محفوظہ جان : سرینگر ...... آپ تقریباً بیس کتابوں کی تخلیق کار ہیں۔جن میں تحقیقی اور تنقیدی کتب کے علاوہ افسانوں کے مجموعے اور تراجم بھی شامل ہیں۔

شہزادہ رفیق : میمندر شوپیان (1957) شاعر اور نثر نگار ہیں۔ایک فعال تمدنی کارکن اور کشمیری زبان کے بہی خواہ ہونے کے علاوہ ہمہ وقتی ادبی صحافی ہیں۔تنقید اور تحقیق کے علاوہ نظم اور غزل بھی لکھتے ہیں۔

ہندوستان میں آزادی کے بعد ایک نئی شاعری کے دور کا آغاز ہوا۔ زندگی کے ہر شعبے میں نمایاں تبدیلیاں دیکھنے کو ملیں۔ ادب پر بھی اس کے اثرات مرتب ہوئے۔ علم و آگہی کے اس نئے دور میں علاقائی زبانوں پر بھی اس کے اثرات رونما ہوئے۔ ادب میں آئی اس تبدیلی کی اہمیت آج بھی مسلم ہے۔ اس کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر ہی ساہتیہ اکادمی نے آزادی کے بعد کے شعری ورثے کو تمام ہندستانی زبانوں میں ایک انتھالوجی کی شکل میں شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے تاکہ اہل زبان و ادب معاصر شاعری کے مختلف رنگوں اور رجحانات سے واقف ہوسکیں۔ زیرنظر انتھالوجی میں ہم عصر کشمیری شاعری کے حوالے سے ان مختلف رنگوں اور رجحانات کو ہم دیکھ سکتے ہیں۔

یہ انتخاب 1947 سے 2010 تک کی منتخب شعری تخلیقات پر مشتمل ہے جس کا ترجمہ رخسانہ جبیں، سید رضا، سلطان الحق شہیدی اور منشور بانہالی نے کیا ہے اور اس کے مرتب شاعر و ادیب ڈاکٹر عزیز حاجنی ہیں۔ امید ہے کہ کشمیری شاعری کے اس اردو ترجمہ سے قارئین لطف اندوز ہوں گے۔

ISBN : 978-81-260-4633-1

Humasr Kashmiri Shairi

(Urdu)

ساہتیہ اکادمی

₹ 150